قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد:90 شمارہ:3
ربیع الاول:1448ھ - ستمبر:2026ء
قیمت فی شمارہ:70روپے، زرِسالانہ:800روپے
زرِسالانہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک:1200روپے

مُدیر/مُدیرمَسئُول
مولانا سیّد سُلیمان یوسُف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سیّد احمد یوسُف بنُوری

مُدیرمُعاوِن
مولانا مُحمّد اعجاز مصطفیٰ

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر:3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک
یورپی اور امریکی ممالک، وغیرہ : 60 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 60 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: + 92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk
ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

مکہ دفاعی معاہدہ اور امت مسلمہ!	3	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات وفضائل

مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا محمد انور تائبی مدظلہم	7	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کا تعارف	10	مفتی محمد طارق محمود
بدگوئی، بدزبانی اور فحش کلامی	26	مولانا قاری محمد سلمان عثمانی
اسلامی طرزِ حیات اور ہماری ذمہ داریاں	30	مولانا محمد راشد شفیع
عیب جوئی کی قباحت ومذمت... قرآن وسنت کی روشنی میں	34	مولانا عصمت اللہ نظامانی
صبر کی اہمیت وفضیلت	40	سید محمد بنوری حسینی
علمی انحطاط اور شوقِ اجتہاد	43	عکاشہ عثمانی
خواتین کا حقِ وراثت، اسلام کی امتیازی خصوصیات	51	مولوی معاذ الحق

یادِ رفتگان

اکابر کے فیض یافتہ حضرت محمد کلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کا اندازِ تربیت	55	مولانا نعمان علی خان

دارالافتاء

اُلٹے جوتے کو سیدھا کرنا	60	ادارہ

نقد ونظر

مجرباتِ مشائخِ نقشبند۔ نکاح عائشہؓ (اعتراضات وجوابات)	61	
كتاب أهل السنة مع الرد على أهل البدعة	62	ادارہ
احتسابِ ناصبیت (12 جلدیں)	63	

مکہ دفاعی معاہدہ اور امتِ مسلمہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

7/اگست 2026ء جمعہ کے مبارک دن حرم کی پاکیزہ فضاؤں میں ہونے والا ''مکہ دفاعی معاہدہ'' نئے مسلم دفاعی اتحاد کی بنیاد ہے۔ یہ مشترکہ دفاعی معاہدہ محض تین ملکوں کے مابین ایک دفاعی دستاویز پر دستخط کا اظہار نہیں، بلکہ یہ ایسے وقت میں سامنے آیا جب مشرقِ وسطیٰ، جنوبی ایشیا اور عالمِ اسلام کا سیاسی وعسکری منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ اس معاہدے کی اہمیت اس لیے بھی غیر معمولی ہے کہ اس کے فریق تین ایسے ممالک ہیں جو اپنی اپنی سطح پر مسلم دنیا کے اہم سیاسی، عسکری اور تزویراتی مراکز سمجھے جاتے ہیں۔

سعودی عرب' خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی وجہ سے اہلِ اسلام کا مرجع ہے، ترکی تقریباً چھ سو سالہ خلافت عثمانیہ کی وجہ سے عالمِ اسلام کا مرکز رہا ہے، اور ہمارا وطن اسلامی جمہوریہ پاکستان اسلام ہی کے نام پر وجود میں آیا۔ اس معاہدے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ایک فریق کے خلاف جارحیت تینوں ممالک کے خلاف جارحیت تصور کی جائے گی اور مشترکہ طور پر اس کا جواب دیا جائے گا۔ مشرقِ وسطیٰ گزشتہ کئی دہائیوں سے مسلسل جنگ و جدل، میزائل اور ڈرون حملوں کے ذریعے تباہی و بربادی، علاقائی کشیدگی اور بڑی طاقتوں کی مداخلت کا میدان بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف جنوبی ایشیا میں پاکستان اور بھارت کے درمیان

کشیدگی کسی مستقل حل تک نہیں پہنچ پا رہی۔ سعودی عرب، پاکستان اور ترکی کا ایسے ماحول میں اپنے دفاعی تعاون کو ایک باضابطہ اور مشترکہ فریم ورک میں لانا یقیناً ایک اہم پیش رفت ہے، کیونکہ پاکستان اس معاہدے میں ایک ایسی عسکری قوت کے طور پر موجود ہے جس کے پاس ایک منظم فوج، جوہری صلاحیت اور کئی دہائیوں پر محیط جنگی تجربہ ہے۔ جبکہ سعودی عرب' خطے کی ایک بڑی معاشی اور سیاسی قوت ہونے کے ساتھ ساتھ خلیج اور حرمین شریفین کے باعث غیر معمولی جغرافیائی و مذہبی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ترکی ایک مضبوط دفاعی صنعت، جدید ترین ڈرون ٹیکنالوجی، نیٹو کی رکنیت، یورپ کا گیٹ وے اور وسیع علاقائی و بین الاقوامی سفارتی اثر و رسوخ رکھنے والا ملک ہے۔ پاکستان کی عسکری صلاحیت، ترکی کی دفاعی ٹیکنالوجی اور سعودی عرب کے مالی و جغرافیائی وسائل مل کر ایک ایسا دفاعی تعاون تشکیل دے سکتے ہیں جو محض روایتی فوجی معاہدے سے کہیں آگے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

عالمی سیاست میں کسی بھی معاہدے کی اہمیت صرف اس کے اعلان کردہ مقصد سے نہیں، بلکہ اس کے ممکنہ اثرات سے بھی متعین ہوتی ہے۔ اگر یہ اتحاد مضبوط ہوتا ہے تو خطے کے دوسرے ممالک یقیناً اپنی سلامتی کی حکمت عملی پر ازسرِنو غور کریں گے۔ مستقبل میں مصر، ملائیشیا، انڈونیشیا، قطر اور دوسرے مسلم ممالک اس دفاعی معاہدے اور تعاون کا حصہ بن سکتے ہیں، جس سے ہر ایک کے سیاسی مفادات، واضح دفاعی مقاصد اور باہمی اعتماد میں بھی نمایاں اضافہ ممکن ہوگا۔

مشرقِ وسطیٰ کی موجودہ صورتِ حال کو اسرائیل کے کردار کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ فلسطین، غزہ، لبنان، شام اور ایران سے متعلق تنازعات نے پورے خطے کی سلامتی کے تصورات کو متاثر کیا ہے۔ سعودی عرب اور ترکی' اسرائیلی پالیسیوں پر سخت تنقید کرتے رہے ہیں، جبکہ پاکستان بھی فلسطین کے مسئلے پر واضح موقف رکھتا ہے۔ ایسے ماحول میں تینوں ممالک کا ایک مشترکہ دفاعی فریم ورک قائم کرنا خطے میں طاقت کے موجودہ توازن پر بالواسطہ اثر ڈال سکتا ہے۔

سعودی عرب کے لیے اس معاہدے کی اہمیت شاید سب سے زیادہ واضح ہے۔ خصوصاً جب کہ فسادی قوتوں نے اپنی پراکسی وار کا دائرہ بڑھاتے ہوئے یمن میں حوثیوں کو ازسرِنو شہہ دینا شروع کر دی ہے اور اب اس معاہدے کی آڑ میں ایران کی پارلیمنٹ کے کسی رکن نے سعودی عرب کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ ایران کو چاہیے تھا کہ وہ اس معاہدے میں ترکی سے بھی پہلے شامل ہو جاتا۔ پاکستان جس نے موجودہ امریکا ایران جنگ روکنے میں آخری حد تک کوششیں کیں اور اب بھی کر رہا ہے، اسی طرح سعودی عرب جس نے اس جنگ میں بہت ہی صبر و تحمل اور تدبر و دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایران کے ڈرون حملوں کا جواب نہیں دیا۔ یہ دونوں محسن ملک اس معاہدے کے روحِ رواں ہیں۔ لیکن اب بھی

وقت گیا نہیں، امت مسلمہ اُمید رکھتی ہے کہ ایران بھی اس معاہدہ میں شامل ہو جائے، تاکہ جزیرۃ العرب میں ممکنہ جنگ وجدال کا خاتمہ ہو سکے اور پوری امت مسلمہ اپنے اندرونی انتشار و خلفشار سے نجات پا کر سکون کا سانس لے سکے۔

جدید جنگ اب صرف ٹینکوں اور جنگی طیاروں تک محدود نہیں رہی؛ ڈرون، بیلسٹک میزائل، سائبر حملے اور غیر روایتی جنگی طریقے بھی قومی سلامتی کے لیے بڑے چیلنج بن چکے ہیں۔ سعودی عرب کو ایک ایسے دفاعی تعاون کی ضرورت ہے جو اسے مختلف نوعیت کے خطرات سے نمٹنے میں مدد دے سکے۔ پاکستان اسے عسکری افرادی قوت، تربیت اور دفاعی تجربہ فراہم کر سکتا ہے، جبکہ ترکی جدید دفاعی ٹیکنالوجی کے میدان میں اہم شراکت دار ثابت ہو سکتا ہے۔

مسلم دنیا میں کئی دہائیوں سے یہ سوال اٹھتا رہا ہے کہ کیا مسلمان ممالک اپنی اجتماعی سلامتی کے لیے کوئی مؤثر نظام قائم کر سکتے ہیں؟ مکہ مکرمہ میں ہونے والا یہ معاہدہ اس سوال کے ایک نئے جواب کی تمہید قرار دیا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور میں اس بات کی اہمیت بہت زیادہ ہو چکی ہے کہ کس مسلمان ملک کے پاس زیادہ بہتر ہتھیار پائے جاتے ہیں؟ کس کی معاشی حیثیت زیادہ مستحکم ہے؟ اور کون سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے ہے؟ جو جتنی زیادہ اہلیت، صلاحیت اور استعداد رکھے گا، اس پر اپنی قوم اور امت مسلمہ کی حفاظت کا فریضہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ عائد ہوگا۔ دار الاسلام کے اجتماعی دفاع کی بنیاد کسی دفاعی معاہدے پر نہیں، بلکہ ''امت'' کے تصور پر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ایک بدن سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بدن کا کوئی بھی عضو تکلیف میں ہو، تو سارا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔ امت کا دفاع تمام مسلمانوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے عائد کردہ ایک فریضہ ہے، اس لیے اگر اسلامی ممالک میں دفاعی معاہدہ نہ بھی ہو تو بھی ان پر لازم ہوگا کہ وہ ایک امت ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کی ہر حال میں مدد، نصرت اور تعاون کریں۔

مکہ مکرمہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے محض ایک شہر نہیں، روحانی مرکز ہے۔ اسی شہر میں تین اہم مسلم ممالک کا ایک مشترکہ دفاعی عہد کرنا اپنی علامتی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اگر پاکستان، سعودی عرب اور ترکی اس معاہدے کو صرف ایک خوبصورت اعلامیے تک محدود رکھتے ہیں تو چند برس بعد یہ بھی دیگر بہت سے معاہدوں کی طرح سفارتی فائلوں کا حصہ بن جائے گا۔ لیکن اگر تینوں ممالک اسے مشترکہ دفاعی منصوبہ بندی، جدید ٹیکنالوجی، دفاعی صنعت، انٹیلی جنس تعاون، عسکری تربیت اور مستقل سیاسی رابطے کے ایک مؤثر نظام میں تبدیل کر دیتے ہیں تو مکہ کا یہ معاہدہ واقعی امت مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ اور خطے کے دفاعی نقشے کو بدل سکتا ہے۔

پاکستانی وزیر اعظم جناب میاں محمد شہباز شریف، نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ جناب اسحاق

ڈار، فیلڈ مارشل جنرل سید عاصم منیر، خادم الحرمین الشریفین اور سعودی عرب کے ولی عہد جناب محمد بن سلمان اور ترکی کے صدر رجب طیب اردگان مبارک باد کے مستحق ہیں، جن کی اَن تھک محنت، کوششوں اور کاوشوں سے یہ معاہدہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس معاہدے کے نکات جو میڈیا نے رپورٹ کیے، وہ یہ ہیں: ''نائب وزیراعظم و وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے درمیان حال ہی میں طے پانے والے ''مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ'' کے نکات شیئر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: معاہدہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی ستونوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ مکہ معاہدہ خطے کے ہر ایسے ملک کے لیے ہے جو اس کے بنیادی اصولوں کی پاسداری اور باہمی احترام، تعاون اور پرامن ذرائع کے ذریعے اختلافات کے حل کے لیے آمادگی رکھتا ہو۔'' مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ'' جس پر پاکستان، سعودی عرب اور ترکی نے 7/اگست 2026ء کو مکہ مکرمہ میں مشترکہ طور پر دستخط کیے ہیں، تینوں ممالک کی قیادت اور عوام کے درمیان برادرانہ تعلقات کی گہرائی کا عکاس ہے۔ مکہ معاہدہ کئی برسوں سے جاری مذاکرات اور باہمی رابطہ کاری کا نتیجہ ہے، جس کا مقصد امن وسلامتی کے مختلف چیلنجز سے نمٹنے، اسٹریٹجک تعاون کو مضبوط بنانے اور خطے میں امن، استحکام اور خوشحالی کے فروغ کے لیے مشترکہ خواہش کو آگے بڑھانا ہے۔ نائب وزیراعظم نے کہا کہ: مکہ معاہدہ ان ممالک کے درمیان موجود کسی بھی دوطرفہ یا کثیر جہتی معاہدے، یا دیگر ممالک وتنظیموں کے ساتھ موجود معاہدوں کو منسوخ یا تبدیل نہیں کرتا اور نہ ہی ان کی جگہ لیتا ہے، تینوں ممالک میں سے کسی ایک پر بیرونی مسلح حملہ تینوں پر حملہ تصور کیا جائے گا، جو اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 51 کے تحت انفرادی اور اجتماعی دفاع کے فطری حق سے ہم آہنگ ہے۔''

پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے درمیان حرم کے مقدس سائے میں اجتماعی دفاع کا معاہدہ طے پانا نہایت خوش آئند اور انتہائی قابلِ تحسین ہے۔ البتہ امت کے اجتماعی دفاع کی منزل پانے کے لیے ابھی بہت سا سفر باقی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر کامیابیوں کے حقیقی ثمرات پانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان ریاستوں میں اندرونی سطح پر معاشی وسماجی عدل، سول بالادستی اور قانون کی حکمرانی کے تصورات راسخ ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس معاہدے کے دور رس نتائج مرتب فرمائے اور عالم اسلام کو کفر کے مقابل اتحاد و اتفاق کے ساتھ مشترکہ مفادات کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، اور تمام مسلم ممالک کو قرآن وسنت کا نظام لانے، امت مسلمہ کی حفاظت ونگہبانی، ترقی وخوشحالی اور استحکام کے لیے سوچنے سمجھنے، عمل پیرا ہونے اور آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

وصلّى الله تعالىٰ على خير خلقه سيّدنا محمّد وعلىٰ اٰله وصحبه أجمعين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت مولانا محمد انور تائبی مدظلہم

انتخاب وترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا محمد انور تائبی مدظلہم

15/ جمادی الاولیٰ 1391ھ

أخي في الله، المجاهد في سبيل الله مولانا محمد أنور وفقه الله للخير!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلام، گزشتہ کل ٹیلیفون کے بعد آپ کا مکتوبِ انور باعثِ شرف ہوا، یہ مکتوب ایک دو روز قبل پہنچ چکا تھا، لیکن ہمارے ساتھی مجھ تک پہنچانا بھول گئے تھے، میں نے پڑھ لیا، ایسے مبشّرات کے ذریعہ تسلی دینے پر اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ بخوبی علم ہے کہ ''الرُّؤیَا تَسُرُّ وَلَا تَغُرُّ'' یعنی اچھا خواب، باعثِ مسرت وبشارت تو ہوتا ہے، دھوکے میں نہیں ڈالتا۔ لیکن مسلسل پریشانی کی حرارت اس کی برودت سے بُجھ جاتی ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ الحمدللہ بخیریت ہوں، لیکن ان دنوں فکری تکان میں مبتلا ہوں، اس لیے ذہنی تازگی کی خاطر دس روز کے لیے ''فورٹ منرو'' [1] کے سفر کا ارادہ ہے؛ تاکہ مقدمہ ''معارف السنن'' کی تکمیل میں انہماک کے لیے (ذہنی طور پر) تیار ہوسکوں۔ [2] اس مقدمہ کی قبولیت اور تکمیل کے لیے نیک دعاؤں کا متمنی ہوں، آپ کو اللہ اس کا بدلہ دے، میری جانب سے شکریہ! (مکتوب میں درج کردہ) یہ باتیں خواب کی ہیں یا بیداری کی؟! بہرکیف اس عنایت پر شکرگزار ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

نوٹ: یہ مکتوب عربی سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔

11 رصفر 1392ھ

أخانا في الله، زاده الله توفيقًا إلى الخير!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خوش خبری پر مشتمل والا نامہ اور پھر قیمتی وگراں قدر ہدیہ باعثِ شرف ہوا، افسوس کہ آپ کے برادرِ مکرم ❸ سے بوقتِ رخصت ملاقات نہ ہوسکی، میں نمازِ فجر کے فوراً بعد اچانک حیدرآباد کے سفر پر روانہ ہوگیا، خیال تھا کہ وہ شام میں میری واپسی تک مقیم رہیں گے، لیکن بعد ظہر لوٹا تو نہ ملے، افسوس ہوا، انہوں نے گھر پر ہدیہ بھیجا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا دے۔ مسرت ہوئی کہ مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمارت کو مکمل فرمائے، اور اسے قبول وآباد فرمائے۔ آپ کی والدہ عالیہ کی بیماری کا علم ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں ایسی شفاء عطا فرمائے کہ مرض کا اثر نہ رہے۔ میری اہلیہ بھی چار روز سے ہسپتال میں ہیں، سابقہ امراض کے علاوہ وہ کچھ فالج اور لقویٰ کی تکلیف میں مبتلا ہوگئی ہیں۔ نیک دعاؤں کا متمنی ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا مخلص

بنوری عفا اللہ عنہ

نوٹ: اس مکتوب کا عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

---

26 رصفر 1392ھ

برادرِ گرامی مآثر مولانا محمد انور صاحب زادهم الله أنوارًا!

تحيةً وسلامًا!

خدا کرے مزاجِ گرامی بخیر ہوں، اور والدہ ماجدہ روبصحت ہوں۔ آپ کا ہدیہ طیّبہ جائے نماز حجازی اور زمزم کا ڈبہ دونوں موصول ہو گئے، بجز دعواتِ صالحہ کیا صلہ پیش کروں! اہلیہ بدستور مریض ہیں، ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں، کوئی افاقہ نہیں، بلکہ مرض روز افزوں ہے، بظاہر مرضِ موت ہے، نہ معلوم اجل کب مقرر ہے؟ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اس لیے گھریلو نظام درہم برہم ہے۔ کل صحیح بخاری شریف اور آیتِ کریمہ اور حصنِ حصین کے ختمات کیے گئے تھے، ظاہری وباطنی تدبیروں میں کوئی تقصیر نہیں، صرف حق ادا کرنے کی کوشش ہے، شفاء شافیِ مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

ملکی احوال پریشان کن بلکہ مایوس کن ہیں: ''وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

رَبُّهُمْ رَشَدًا.'' ❹

دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، و هو المرجوّ منكم! ❺

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

حواشی

❶ ۔فورٹ منرو (Fort Munro) صوبہ پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان میں سطح سمندر سے 6470 فٹ کی بلندی پر واقع ایک پُرفضا، خوبصورت اور تاریخی مقام ہے۔ محل وقوع' ڈیرہ غازی خان شہر سے تقریباً 85 کلومیٹر اور ملتان شہر سے تقریباً 185 کلومیٹر پر ہے۔ یہاں برطانوی دور کا تعمیر کردہ ایک قلعہ ہے، اسی کے نام سے اس مقام کا نام ''فورٹ منرو'' پڑ گیا۔

❷ ۔مقدمہ ''معارف السنن'' کا نام حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے ''عوارف المِنَن'' رکھا تھا، اور مختلف مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں اس کے ابحاث کا خاکہ مرتب تھا، اور کافی مباحث لکھ بھی چکے تھے، لیکن تکمیل سے قبل پیامِ اجل آ گیا، اور یہ کام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔ دست یاب مسودہ کا اردو ترجمہ مولانا محمد ادریس میرٹھی اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہما اللہ نے فرمایا تھا، جو پہلے جامعہ کے ترجمان ''ماہنامہ بینات'' میں قسط وار شائع ہوا، بعد ازاں استاذِ محترم مولانا محمد انور بدخشانی رحمہ اللہ نے ان قسطوں کو یکجا کر کے ترتیب دیا تھا، یہ کتاب ''منتخب مباحثِ علمِ حدیث'' کے نام سے جامعہ کے مکتبہ بینات سے شائع ہو چکی ہے، اور علمِ حدیث کے طلبہ اور علماء کے لیے مفید ہے۔ یہ مقدمہ ''معارف السنن'' کے نئے ایڈیشن میں شامل کر دیا ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

❸ ۔بظاہر راقم کے نانا مولانا گل محمد تائبی یا مولانا غلام محمد تائبی رحمہما اللہ مراد ہیں۔

❹ ۔''نہ معلوم روئے زمین کے باسیوں کے لیے شر کا ارادہ کر لیا گیا ہے یا ان کا رب بھلائی کا خواہاں ہے؟'' بظاہر 1971ء میں پیش آمدہ سانحہ مشرقی پاکستان کی جانب اشارہ ہے۔

❺ ۔آپ سے یہی توقع ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کا تعارف

مفتی محمد طارق محمود

لاہور

درسِ نظامی کے نصاب میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جنہیں علمی قابلیت پیدا کرنے میں خاص دخل ہے۔ ان میں ہدایہ سرفہرست ہے، حتیٰ کہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کی چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے، اس کو حل کر کے سمجھا اور پڑھا سکے۔'' (البلاغ: 2/1090، خصوصی اشاعت) تاہم ہدایہ کو بصیرت اور اِتقان سے پڑھنے پڑھانے کے لیے کتاب کا مفصل تعارف ضروری ہے، اس لیے ہدایہ کے مقدمة الکتاب کے طور پر یہ مضمون پیشِ خدمت ہے۔ اس کے ذیلی موضوعات کی فہرست یہ ہے: 1۔ ہدایہ کی نصابی اہمیت۔ 2۔ ہدایہ کے تعارف پر لکھے گئے کچھ رسائل۔ 3۔ حالات مصنف۔ 4۔ عاداتِ مصنف۔ 5۔ کتاب کے نسخے۔ 6۔ شروح وحواشی وتخریجات۔ 7۔ ہدایہ میں حدیث کا حوالہ اور سند کیوں نہیں؟ 8۔ ہدایہ پڑھانے کا طریقہ۔ 9۔ ہدایہ کا امتحان لینے کا طریقہ۔ 10۔ ہدایہ اور بدائع الصنائع کا تقابل۔

❶ ۔ ہدایہ کی نصابی اہمیت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہدایہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس کتاب کو اگر درسِ نظامی کا حاصل اور علوم دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، لہٰذا استاذ کو اسی اہمیت کے ساتھ اسے پڑھانا چاہیے۔ کتاب کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو مسائل کے ساتھ ان کے نقلی اور عقلی دلائل اور فقہاء کے مدارکِ استنباط سے واقفیت ہو۔''

(درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟ ص: 38)

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''غور کیا جائے تو تعلیم کی غرض یہی دو باتیں ہوسکتی ہیں، یعنی آدمی خود سوچنے لگے اور دوسروں کی

(یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔ (قرآن مجید)

سوچی ہوئی باتیں سمجھنے لگے۔ اصولِ فقہ کی کتاب بزدوی، فقہ کی کتاب ہدایہ اور تفسیر کی کتاب کشاف درس میں ان ہی دونوں اغراض کے لیے رکھی گئی تھیں۔ ہدایہ کی یہ خوبی نہیں کہ اس میں فقہ کے تمام مسائل آ گئے ہیں اور ان مختصر جلدوں میں فقہ جیسے بحرِ ذخار کا سمانا مشکل کیا ناممکن ہے، لیکن دماغ کی جتنی ورزش اس کی عجیب وغریب سہلِ ممتنع عبارتوں سے ہوجاتی ہے، میں نہیں جانتا کہ اس مقصد کے لیے ہدایہ سے بہتر کتاب مسلمانوں کے پاس موجود ہے، اس لیے شاعر کا بیان مبالغہ نہیں کہ ہدایہ کے پڑھنے والے کجراہی اور غلط روی کا شکار نہیں ہوسکتے۔ خود صحیح سوچنے اور دوسرے کے کلام کا صحیح مطلب سمجھنے کا جتنا اچھا سلیقہ یہ کتاب پیدا کرسکتی ہے، عام کتابوں میں اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔'' (نظامِ تعلیم وتربیت: 1/313، 314ب، تلخیص)

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ہدایہ صحیح طرح پڑھنے سے جو تحقیق وتدقیق کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، اس کا کوئی متبادل نہیں، اور دوسرے حضرت نے ہدایہ کی عبارت کو سہلِ ممتنع کہا ہے، یہ ادب کی ایک اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں آسان الفاظ میں ایسے لطیف معنی ادا کردینا جنہیں اس طرح ادا کرنا بہت مشکل ہو۔ اردو میں مومن خاں مومن کا یہ شعر سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اکبر حسین صاحب جج اور ناظر حسن صاحب رامپوری وکیل کی قابلیت جو حکام میں بھی مسلم تھی، وہ عربی ہی کی بدولت تھی، چنانچہ وکیل صاحب نے خود کہا کہ یہ جو وکالت میں میری نظر ایسی رسا ہے، یہ محض ہدایہ پڑھنے کی برکت ہے۔'' (ملفوظات حکیم الامت: 10/73)

❷ - ہدایہ کے تعارف پر لکھے گئے چند رسائل

1-5: خمس رسائل على كتاب الهداية

یہ پانچ رسائل کا مجموعہ ہے۔ اس میں عمادی کا ''العقد الثمين في ترجمة صاحب الهداية''، حمزاوی کا ''مصباح الدراية في اصطلاح الهداية''، لکھنوی کا ''عادات الإمام المرغيناني'' اور ''المسامحات''، اور مطیعی کا ''بغية أهل الدراية من ختم كتاب الهداية'' شامل ہے۔

6: المدخل إلى كتاب الهداية

اس مجموعے میں مذکورہ پانچ رسائل کے علاوہ سندی کا ''مهذب الهداية'' اور سلہٹی کا ''مباحث

عن الإمام المرغيناني وكتابه الهداية'' شامل ہے۔

7: ماينبغي به العناية لمن يطالع الهداية

جامعہ بنوری ٹاؤن سے تخصص فی الفقہ کا مقالہ ہے۔ اس میں ان امور سے بحث کی گئی ہے جو مولانا لکھنوی اور مولانا سنبھلی کے مقدماتِ ہدایہ میں نہیں ہیں۔

8: دکتور سائد بکداش کی ہدایہ پر تحقیق کا مقدمہ۔

9: ہدایہ اور صاحب ہدایہ: مولانا عبدالقیوم حقانی۔

10: آپ ہدایہ کیسے پڑھیں؟: مفتی ابولبابہ شاہ منصور

❸ - حالاتِ مصنف

برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر صدیقی فرغانی مرغینانی رِشدانی نام ہے۔ زمانہ 511-593ھ ہے۔ فرغانہ ماوراء النہر میں ہے۔ یہ جگہ اس وقت وسط ایشیا کے ملک ازبکستان میں ہے۔ مرغینان فرغانہ کے مشہور شہروں میں سے ہے اور رشدان مرغینان کی ایک بستی ہے۔ (مقدمہ سائد بکداش: 1/16)

امام مرغینانیؒ کو بعض نے اصحاب الترجیح میں، بعض نے اصحاب التخریج میں اور بعض نے مجتہدین فی المذہب میں شمار کیا ہے۔ مولانا لکھنوی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (تقدمة البنوري على نصب الراية: ص:14)

تصانیف میں الزیادات، شرح الجامع الکبیر، التجنیس والمزید وغیرہ شامل ہیں۔

ذہبیؒ ان کے حالات میں فرماتے ہیں:

''العلامة عالم ماوراء النهر. . . . . لم تبلغنا من أخباره وكان من أوعية العلم رحمه الله. '' (سیر اعلام النبلاء: 21/232)

علامہ ماوراء النہر کے عالم..... ہمیں ان کے حالات (کی تفصیل) معلوم نہیں، (البتہ اتنا ہے کہ) علم کے ظروف میں سے تھے۔ قرشی کہتے ہیں:

''أقر له أهل مصر بالفضل والتقدم. . . . تفقه على جماعة. . . . فاق شيوخه وأقرانه وأذعنوا له كلهم. . . وتفقه عليه الجم الغفير. ''(الجواهر المضية: 1/383)

''اہلِ مصر نے ان کے کمال اور برتری کا اعتراف کیا ہے۔ ... ایک جماعت سے فقہ (کی مہارت لی)۔ ... اپنے اساتذہ اور ہم جماعتوں سے آگے نکل گئے اور ان سب نے ان کی برتری تسلیم کی ہے۔... بہت بڑی جماعت نے ان سے فقہ (کی مہارت) لی ہے۔''

یہاں امام مرغینانیؒ کے کمال کی چاروں دلیلیں آ گئیں۔ باکمال اساتذہ اور تلامذہ کی کثرت، اساتذہ اور اہل زمانہ کا اعتراف۔

کفویؒ کہتے ہیں:

''كان إمامًا فقيهًا حافظًا محدثًا مفسرًا جامعًا للعلوم ضابطًا للفنون متقنًا محققًا نظارًا مدققًا زاهدًا ورعًا بارعًا متورعًا فاضلًا ماهرًا فائقًا ماهرًا أصوليًا أديبًا شاعرًا لم تر العيون مثلهُ في عصرهِ في العلم والأدب.''

''وہ امام، فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، علوم کے جامع، فنون کے ماہر، متقن، محقق، مناظر، باریک بین، زاہد، پرہیزگار، فائق الاقران، فاضل، ماہر، فائق، ماہر اصولی، ادیب و شاعر تھے۔ آنکھوں نے ان کے زمانے میں علم و ادب میں ان جیسا نہیں دیکھا۔'' (كتائب أعلام الأخيار، ص:220، مخطوط)

حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں:

'' لايدرك شأو صاحب الهداية في فقهه ألف فقيه مثل صاحب الدر المختار. فإن صاحب الهداية فقيه النفس، علمه علم الصدر، وعلم صاحب الدر المختار علم الصحف والأسفار وأن البون بينهما لبعيد.''

(تقدمة البنوري على نصب الراية، ص:14)

''صاحب درِمختار جیسے ہزار فقیہ بھی صاحب ہدایہ کے درجے کو نہیں پہنچتے، کیونکہ صاحب ہدایہ فقیہ النفس ہیں اور ان کا علم سینے کا علم ہے۔ صاحب درِمختار کا علم کتابی ہے اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔''

❹ - عاداتِ مصنف

1 - ہدایہ شرح ہے، اس کے متن کا نام ''بداية المبتدي'' ہے۔ متن میں جامع اور مختصر الفاظ میں اس علم کے مقاصد اور مسائل جمع کیے جاتے ہیں۔ متن گویا پورے علم کا خلاصہ ہوتا ہے۔ متن کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مبتدی طلبہ کے لیے درسی کتاب بن جاتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس علم کی تفصیل سے پہلے اجمال سامنے آتا ہے۔ اجمال کے بعد تفصیل زیادہ آسان اور مؤثر ہوتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ متن کے ذریعے مطولات میں مسائل تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے، اور مظانِ مسئلہ کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجوہ ہیں کہ متن کے الفاظ بڑے نپے تلے اور جامع ہوتے ہیں۔ متن ماہرِ فن امام کی ذہنی کاوش کا نچوڑ ہوتا ہے۔ متن کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اس کے ذریعے شروحات و فتاویٰ میں جزئیات تلاش کر کے فتاویٰ کے

جوابات لکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متن نگاری کرنے والے ائمہ فقہاء کو جزائے خیر دے کہ ہمارے لیے مطولات میں پہنچنے کا راستہ بہت آسان کر دیا۔ متن میں اصل یہی ہے کہ مفتی بہ اور راجح قول پر اکتفا کیا جائے۔ مولانا ابوالوفاء افغانی نے مختصر الطحاوي کے مقدمۂ تحقیق میں فقہ حنفی کے مشہور مختصرات کا ترتیب وار ذکر کیا ہے۔ یہ بطور تمہید متون ومختصرات کے منہج اور منزلت کا بیان ہوا۔ تاہم مطولات کے بالاستیعاب مطالعے کی ضرورت اپنی جگہ ہے۔ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' لايجوز لأحد أن يفتي مالم يطالع البحر أو رد المحتار بأسره أو كتابًا مبسوطًا آخر من مبسوطات الفقه الحنفي، نعم صدق من قال : لاتقعن البحر إلا سابحا.'' (تراجم ستة من فقهاء العالم الإسلامي ، ص:39)

''کسی کے لیے اس وقت تک فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک بحر یا رد المحتار یا فقہ حنفی کی کسی اور مبسوط کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کرلے۔ ہاں! یہ بات درست ہے کہ بحر میں تیراک ہو کر ہی جانا (یعنی اس سے صحیح طرح استفادہ کرنا سیکھ کر ہی مطالعہ کرنا)۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم تخصص میں اہم نکات کے ضبط کے ساتھ کسی ایک مبسوط کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرانا ضروری ہے۔

2۔ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' ليس في أسفار مذاهب الأربعة كتاب بمثابة الهداية في تلخيص كلام القوم، وحسن تعبيره الرائق والجمع للمهمات في تفقه نفس بكلمات كلها درر وغرر.'' (تقدمة البنوري على نصب الراية،ص:14)

''مذاہبِ اربعہ کی کتابوں میں کوئی کتاب ہدایہ جیسی نہیں، فقہاء کے کلام کی تلخیص اور حسن تعبیر اور مہمات کو جمع کرنے میں تفقہ نفس کے ساتھ ایسے کلمات میں جو سارے قیمتی موتی ہیں۔ ہدایہ سے پہلے چار صدیوں کا فقہی ذخیرہ موجود تھا۔ امام مرغینانیؒ نے مختصر جملوں میں اس کا نچوڑ نکال دیا۔''

حضرت کشمیریؒ نے فرمایا:

''مجھ سے ایک عالم نے پوچھا کہ آپ فتح القدیر جیسی کتاب لکھ سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! پھر پوچھا: ہدایہ جیسی؟ تو میں نے کہا: چھ سطر بھی نہیں۔'' (بینات: ص55، رجب 1440ھ)

باغ و بہار کے بیان میں فصاحت و بلاغت تو سب لاتے ہیں، مگر قانون جیسے سنگلاخ مضمون کے بیان میں ادبی چاشنی لانا بڑے کمال کی بات ہے۔

3-ہدایہ کے شارح شریف جلال الدین Vفرماتے ہیں:

''ثم إنهٗ وإن كان شرحًا للبداية كاشفًا لمشكلاته موضحًا لمعضلاته إلا أن فيه غوامض أسرار محتجبة وراء الأستار لا يكشف عنها من نحار ير العلماء إلا من أوتى كمال التيقظ في التحقيق.'' (مقدمۃ سائد بکداش:1/38)

''پھر ہدایہ اگرچہ ہدایہ کی شرح ہے جو اس کی مشکلات کو کھولتی ہے، اور اس کی پیچیدگیوں کو دور کرتی ہے (اس حیثیت سے اسے آسان ہونا چاہیے تھا، کیونکہ خود شرح ہے)، لیکن اس میں پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے ایسے گہرے راز ہیں کہ جنہیں علمائے محققین میں سے بھی وہی کھول سکتے ہیں جو تحقیق میں انتہائی چوکس ہوں۔''

ہدایہ کے شارح قوام الدین کاکیؒ فرماتے ہیں:

'' كتاب جامع لكل ما أمكن جمعهٗ في هٰذا الفن من فنون الدراية وعيون الرواية بحيث لا يعرف إلا بعد تجريد فكر وتدقيق نظر. وقد شرحه الشارحون واشتغل بتدر يسه المشائخ المحققون.'' (مصدر سابق)

''ہدایہ ایسی جامع کتاب ہے جس میں وہ ساری چیزیں جمع ہیں جو اس فن میں آسکتی ہیں، یعنی قوی دلائل اور راجح اقوال، اس طرح کہ فکر کو خالی کرنے اور نظر کو گہرا کرنے سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ شارحین نے اس کی شرح لکھی ہے اور مشائخ محققین اس کی تدریس میں مشغول ہوئے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہدایہ شرح ہونے کے باوجود بہت دقیق اور غامض ہے۔

4-ہدایہ میں عقلی دلیل بیان کرنے کا اہتمام سمعی دلیل سے نسبتاً زیادہ ہے، چنانچہ بسا اوقات دلیل سمعی کو بیان نہیں کرتے اور بعض دفعہ دلیل عقلی کو پہلے بیان کرتے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ دلیل عقلی رتبتاً دلیل سمعی سے مقدم ہوگئی، معاذ اللہ، بلکہ یہ انداز بعض عوارض کی بنا پر ہے۔ مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''قد علم من عادتهٖ (أى عادة صاحب الهداية) أنهٗ صنف كتابهٗ هذا لا يراد الدلائل العقلية دون النقلية، فلذا يكتفي بايرادها كثيرًا ومعه أحاديث مثبتة لمدعاه.'' (تعليق ذب ذباب الدراسات:1 / 75)

''صاحب ہدایہ کی عادت معلوم ہے کہ انھوں نے یہ کتاب دلائلِ عقلیہ کے لیے لکھی ہے، نہ کہ دلائلِ نقلیہ کے لیے، یہی وجہ ہے کہ وہ بسا اوقات صرف دلائلِ عقلیہ پر اکتفا کرتے ہیں، حالانکہ

اس مسئلے میں احادیث بھی ہوتی ہیں۔''

دکتور سائد بکداش کہتے ہیں:

''ومن منهج المرغيناني في الاستدلال في الهداية أنه في مسائل كثيرة يترك الاستدلال للمسئلة بماورد في السنة المرفوعة وآثار الصحابةؓ مع وجود ذٰلك، و يقتصر على الدليل العقلي فقط.'' (مقدمة تحقيق الهداية :1/ 83)

''مرغینانی کا ہدایہ میں ایک منہجِ استدلال یہ بھی ہے کہ وہ بہت سے مسائل میں سنتِ مرفوعہ اور آثارِ صحابہؓ کے ہوتے ہوئے بھی انہیں دلیل کے طور پر ذکر نہیں کرتے، بلکہ صرف دلیل عقلی پر کفایت کرتے ہیں۔''

باب الصلاة في الكعبة کے آخری مسئلے میں دلیل عقلی کا پہلے ذکر ہے اور دلیل سمعی کا بعد میں۔

اس پر محشی مفتی ابولبابہؒ کہتے ہیں:

''دليل نقلي أخره ليكون اختتام الكتاب والباب بالصلاة على النبي ﷺ ولأن الدليل العقلي مبني على القاعدة الكلية المستنبطة من النصوص الكثيرة وهى عدم جواز ما فيه ترك تعظيم شعائرالله؛ فإن تعظيم شعائر الله من تقوى القلوب. والحديث مشتمل على مسئلة جزئية، فتقديم ما هو مستنبط من النصوص الكثيرة على نص واحد من الحسن بمكان. فاحكم هٰذا. فإن من لم يفهم هذه النكتة ربما يختلج في قلبه صنيع المصنف في مثل هٰذه المواضع.''

''دلیل نقلی کو مؤخر کیا ہے، تاکہ کتاب اور باب کا اختتام نبی اکرم ﷺ پر درود سے ہو، اور اس لیے بھی کہ دلیل عقلی کی بنیاد قاعدہ کلیہ ہے جو بہت سی نصوص سے مستنبط ہے، اور وہ یہ کہ جس کام میں شعائر اللہ کی تعظیم ترک ہو وہ کام جائز نہیں، کیونکہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کے تقویٰ سے ہے، اور حدیث ایک مسئلہ جزئیہ پر مشتمل ہے۔ تو نصوصِ کثیرہ سے مستنبط دلیل کو ایک نص پر مقدم کرنے کا حسن ظاہر ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو، کیونکہ جو یہ نکتہ نہیں سمجھتا، بسا اوقات اس کے دل میں اس طرح کے مواضع میں مصنف کا انداز باعثِ خلجان ہوتا ہے۔

(نیز دیکھیے: احسن التوجیہات، ہدایہ: 1/ 63، 64، مکتبہ بشریٰ، کراچی، ط: 1445ھ)

5 - ہدایہ میں دلیل کے سب مقدمات بسا اوقات مذکور نہیں ہوتے۔ اسی طرح دلیلِ سمعی کی وجہ دلالت علی الحکم بھی بہت دفعہ ذکر نہیں ہوتی۔ گویا پوری دلیل نہیں، بلکہ دلیل کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اب ان

اشارات کو کھولنا اور سب مقدمات ذکر کر کے پوری تقریر کرنا، یہ اہم کام ہے ہدایہ کے سبق میں، مثلاً: ''باب صلاة المسافر'' میں مسافر کے مقیم کی اقتداء کے مسئلے میں فیکون اقتداء المفترض بالمتنفل في حق القعدة أو القراءة پر حاشیے میں بابرتی کا کلام دیکھیے۔

6- ألا تری کہہ کر توضیح کرتے ہیں۔ اسے دلیل تنویری بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس مقام پر آتا ہے جہاں دلیل کا بہت ظاہر ہونا بتانا ہو، مثلاً ''باب الماء'' میں دباغت کے مسئلے میں فرمایا: ''ألا تری أنهٗ ینتفع به حراسةً واصطیادًا'' اس پر عینیؒ کہتے ہیں: ''(ألاتری) کلمة ألابفتح الهمزة وتخفیف اللام للتنبیه والتوضیح.

باب الإمامة میں مسئلہ محاذات میں فرمایا: ألاتری أنهٗ یلزمه الترتیب في المقام. اس پر بابرتی کہتے ہیں: ''ألا تری توضیح لقوله لأن الاشتراك لایثبت دونها.''

7- بعض مسائل استطراداً ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً: ''فصل في البیر'' میں بکری کے کنویں میں پیشاب کرنے کے مسئلے کے تحت تداوی بالمحرم کا ذکر استطراداً آیا ہے۔ اس طرح یہ غیر مظان میں مسئلہ ذکر کرنے کی ایک صورت بن جاتی ہے۔

8- دعویٰ کے جزء پر دلیل لانے کے بعد کل پر دلیل لاتے ہیں، مثلاً ''باب الماء'' میں ''ومطلق الاسم یطلق علی هٰذه المیاه'' پر سعدی آفندیؒ کہتے ہیں: ''الاستدلال علی بعض المدعی، ثم الکل طریقة یسلکها المصنف کثیرا.''

9- اختصار کی وجہ سے مصادر منقول عنہا کا پورا حوالہ نہیں دیتے اور بسا اوقات قائل کا نام بھی اسی غرض سے حذف کر دیتے ہیں۔ اس زمانے میں تدین وتبحرِ علمی کی وجہ سے ایسا کرنا بالکل کافی تھا۔ البتہ ہمارے دور میں ایسا کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

10- مفتی ابولبابہ صاحب کے مقدمہ تعلیق میں 4/اصول اور 10/عادات مذکور ہیں۔ اور مکتبہ بشریٰ کے مقدمہ میں 20/عادات مذکور ہیں۔ انہیں پیش نظر رکھنا چاہیے۔

❺- کتاب کے نسخے

1: ہدایہ کا بہترین نسخہ وہ ہے جو دکتور سائد بکداش کی تحقیق کے ساتھ 7 جلدوں میں مطبوع ہے۔ اس میں 20 سے زائد مخطوطات سے تصحیح کی گئی ہے۔ اس کی پی ڈی ایف آن لائن دستیاب ہے۔ 2: ایک نسخہ عبد السلام عبد الہادی کی تحقیق کے ساتھ 4 جلدوں میں مطبوع ہے۔ 3: ہمارے ہاں زیادہ تر مکتبہ بشریٰ کراچی کا نسخہ رائج ہے۔ اس پر مفتی ابولبابہ صاحب کے مفید حواشی ہیں جن سے حل کتاب میں بہت مدد ملتی ہے۔

❻ ۔شروح وحواشی وتخریجات

ہدایہ پر ہونے والے مختلف نوعیت کے علمی کاموں کی کل تعداد 120 سے اوپر ہے۔ تاہم طبع شدہ شروح کی تعداد بہت کم ہے۔ دس سے کچھ زائد شروح مطبوع ہیں۔ ان اعمالِ علمیہ کی تفصیل مقدمہ سائد بکداش ص:101۔163 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ان میں سے کم از کم فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، کفایہ، تخریج زیلعی، حاشیہ سعدی، لکھنوی اور سنبھلی کے مطالعے سے چارہ نہیں۔ مخرجین ہدایہ میں عبدالقادر قرشی، علاء الدین ماردینی، جمال الدین زیلعی، بدرالدین عینی، ابن ہمام اور قاسم بن قطلو بغا شامل ہیں۔ ان میں سے یہاں تخریج زیلعی سے متعلق کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ یہ نصب الراية لأحاديث الهداية کے نام سے مشہور ہے، تاہم بعض اہلِ علم کی تحقیق کے مطابق اس کا اصلی نام تخريج أحاديث الهداية ہے۔ اور نصب الرایۃ حافظ ابن حجرؒ کی تلخیص کا نام ہے۔

تخریجِ زیلعی احادیثِ احکام کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اپنی تصانیف میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اس کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ سب مذاہب کے دلائل پورے انصاف اور اعتدال کے ساتھ یکجا کر دیتے ہیں اور بسا اوقات مخالفین کے دلائل پر کلام کی گنجائش ہونے کے باوجود بھی کلام نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیلعیؒ حافظِ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ مشائخِ صوفیہ میں سے بھی ہیں، جن کے دل رذائل وشہوات سے پاک ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ذرا بھی تعصب نہیں۔ ابن ہمام اور ابن دقیق عید دونوں بھی ایسے ہی منصف اور معتدل مزاج جامع بین الحدیث والفقہ ہیں۔

''قال مولانا أنور شاه الكشميري : الحافظ ما أجاد في تلخيصه كما كان يرجى من براعته في التنقيح والتحرير و علو كعبه في التلخيص، وغادر كثيرا من النقول التي ما كان يحرى تركها.''

(تقدمة البنوري على نصب الراية ، ص:6 - 8، 12)

''امام العصر حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''حافظ ابن حجرؒ نے زیلعیؒ کی تلخیص عمدہ نہیں کی، جیسے ان کے تنقیح وتحریر کے کمال اور تلخیص کے بلند مرتبے سے امید تھی۔ بہت سی قیمتی نقول چھوڑ دیں جو چھوڑنی نہیں چاہیے تھیں۔''

''وقال : وهٰذا بخلاف الحافظ ابن حجرؒ، فيتطلب دائما مواقع العلل و يتوخى مواضع الوهن من الحنفية. ولايأتي في أبحاثه ما يفيد الحنفية. و يقول شيئًا وهو يعلم خلاف ذٰلك، ولايليق بجلالة قدره ذيل الصنيع.

وحاشاي أن أغض من قدر الحافظ الذي يستحقه. وإنما هي حقائق ناصعة ووقائع ثابتة، يجب على الباحث الناقد أن يعرفها. عفا الله عنه و بدل سيئاته حسنات.'' (مصدرِسابق،ص:8)

''اورفرماتے ہیں: یہ حافظ ابن حجرؒ کے برخلاف ہے کہ وہ ہمیشہ (حنفیہ کے) عیوب کی تلاش میں رہتے ہیں، اوران کی کمزوریوں کے درپے رہتے ہیں، اوراپنی ابحاث میں کوئی ایسی بات نہیں لاتے جس سے حنفیہ کوفائدہ پہنچےاور جانتے بوجھتے اپنے علم کے خلاف بات کرتے ہیں۔ یہ رویہ ان کے بلندرتبے کے لائق نہیں، اورحاشامیں حافظ ابن حجرؒ کے مرتبے میں کمی کروں جس کے وہ مستحق ہیں۔ یہ توثابت شدہ حقائق وواقعات ہیں۔ باحث ناقد پرانہیں جاننالازم ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائیں اوران کی سیئات کوحسنات سے بدل دیں، آمین۔''

''قال الشيخ البنوريؒ : ومن دأبهٖ في كتبهٖ – ولا سيما فتح الباري – أنهٗ يغادر حديثًا في بابهٖ يكون مؤيدًا للحنفية مع علمهٖ، ثم يذكرهٗ في غير مظانهٖ لئلا ينتفع به الحنفية. '' (مصدرسابق،ص:7)

''شیخ بنوریؒ فرماتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ کی اپنی کتابوں خصوصاًفتح الباري میں عادت ہے کہ وہ حنفیہ کی مؤیدحدیث کوجانتے ہوئے بھی اس کے باب میں ذکرنہیں کرتے، پھراسے غیرمظان میں ذکرکرتے ہیں، تاکہ اس سے حنفیہ کوفائدہ نہ پہنچے۔'' (مزیدتفصیل کے لیے دیکھیے: ملفوظات محدث کشمیریؒ،ص: 124، 125۔ الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن،ص:244، 245۔ فیض الباری:2/476، 4/129، 130۔ نفحۃ العنبر،ص:64،65)

لہٰذا حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے اس رویے کوبھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

شروح سے متعلق ایک اہم طرز کی وضاحت ضروری ہے۔ پہلے مصنفین کی عادت ہے کہ وہ کسی اعتراض اوراس کے جواب کے ضعف وقوت کی طرف مخصوص الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں، چنانچہ بعض افاضل کا قول ہے کہ لفظ تأمل سے جواب قوی کی طرف، فتأمل سے جواب ضعیف کی طرف اور فليتأمل سے جواب اضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ لفظ لقائل سے سوالِ اقویٰ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس کے جواب میں أقول یا نقول لاتے ہیں۔ فإن قلت سے سوال قوی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس کے جواب میں قلت یا قلنا لاتے ہیں۔ لفظ فإن قيل سے سوال ضعیف کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس کے جواب میں أجيب یا يقال لاتے ہیں۔ لفظ لا يقال سے سوال اضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں لأنا نقول لاتے

ہیں۔ (کلیات ابی البقاء، ص:287، 288)

شارحینِ ہدایہ بھی جا بجا یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، لہٰذا ان کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ابو البقاء نے اس طرح کی اور اصطلاحات بھی ذکر کی ہیں، فلیراجع۔

❼ - ہدایہ میں حدیث کا حوالہ اور سند کیوں نہیں؟

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''صاحبِ ہدایہ حدیث کے حافظ تھے، اس لیے ان کو حدیث کے حوالہ کی ضرورت نہ تھی اور اس وقت پتہ کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا تھا کہ حدیث میں آیا ہے، مگر اس زمانہ میں چونکہ تدین نہیں رہا، حوالہ میں صفحہ، سطر سب کچھ لکھنا چاہیے، تاکہ دوسرا دیکھ سکے۔'' (ملفوظات حکیم الامت: 14/123، 124)

مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں:

'' و يدل على كونه محدثا حافظا للحديث كثرة ما أودعهٗ في كتبه لاسيما الهداية من الأحاديث. . . . . كل حديث قال فيه الحافظان غريب لم نجده وجدت الكثير منه – ولله الحمد– في كتاب الخراج للإمام أبي يوسف، وفي كتاب الآثار لهٗ، وفي كتاب الآثار للامام محمد بن الحسن، وفي كتاب الحجج لهٗ رحمة الله عليهما.'' (أبو حنيفة وأصحابه المحدثون، ص:211، 212)

''امام مرغینانیؒ کے محدث، حافظِ حدیث ہونے کی دلیل ان کی کتابوں خصوصاً ہدایہ میں بکثرت احادیث ہونا ہے۔ ... جن حدیثوں کے بارے میں زیلعیؒ اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: غریب ہیں، ہمیں نہیں ملیں، الحمد للہ، ان میں سے بہت سی مجھے مل گئی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' اور ''کتاب الآثار'' میں اور امام محمد بن حسنؒ کی ''کتاب الآثار'' اور ''کتاب الحجج'' میں، رحمۃ اللہ علیہما۔''

مولانا نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط، ملک العلماء کاسانی کی بدائع الصنائع اور شیخ الاسلام مرغینانی کی ہدایہ، کہ ان تینوں کتابوں میں جس قدر احادیث وآثار آئے ہیں وہ اصل میں متقدمین ائمہ احناف ہی کی کتابوں سے منقول ہیں جن کو ان حضرات نے اپنے ائمہ کے اعتماد پر اختصار کے پیشِ نظر بلا ذکر حوالہ وسند درج کر دیا ہے، چنانچہ حافظ قاسم بن قطلو بغا ''منية الألمعي'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

'' إن المتقدمين من علمائنا رحمهم الله كانوا يملون المسائل الفقهية وأدلتها من

الأحاديث النبوية بأسانيدهم كأبي يوسف في كتاب الخراج والأمالي، ومحمد في كتاب الأصل والسير، وكذا الطحاوي والخصاف والرازي والكرخي إلا في المختصرات. ثم جاء من اعتمد كتب المتقدمين وأوردوا لأحاديث في كتب من غير بيان سند ولامخرج، فعكف الناس على هٰذه الكتب.''

ترجمہ: ''ہمارے علمائے متقدمین، اللہ ان پر رحم فرمائے مسائلِ فقہیہ اور ان کے دلائل کا احادیث نبویہ سے اپنی اسانید کے ساتھ املاء کراتے تھے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے ''کتاب الخراج'' اور ''أمالي'' میں اور امام محمدؒ نے ''كتاب الأصل'' اور ''كتاب السير'' میں اور اسی طرح امام طحاوی، خصاف، ابوبکر رازی اور کرخی نے اپنی اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ البتہ مختصرات کی املاء اس سے مستثنیٰ ہے۔ بعد میں وہ حضرات آئے جنہوں نے متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کیا اور ان حدیثوں کو بغیر سند اور حوالہ کے اپنی تصانیف میں درج کیا، پھر لوگ انہی تصانیف پر متوجہ ہو گئے۔''

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے ائمہ کی کتابوں پر ویسا ہی اعتماد تھا جیسا امام بغویؒ اور شاہ ولی اللہؒ کو صحاحِ ستہ پر تھا۔ اور جس طرح امام بغویؒ نے ''مصابيح السنة'' میں اور شاہ ولی اللہؒ نے ''حجة الله البالغة'' میں ان کتابوں کی روایات کو بلا حوالہ وسند درج کر دیا ہے، اسی طرح ان حضرات نے اپنے ائمہ کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ بعد ازاں جب فتنۂ تاتار میں اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور بلادِ عجم سے لے کر دار الخلافہ بغداد تک مسلمانوں کے جتنے علمی مراکز تھے ایک ایک کر کے تباہ و برباد ہو گئے تو متقدمین کا علمی سرمایہ بہت کچھ ضائع ہو گیا اور بہت سی کتابیں جو پہلے متداول تھیں اس فتنہ میں بالکلیہ معدوم ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ متأخرین حفاظِ حدیث کو جنہوں نے ہدایہ وغیرہ کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ متعدد روایات کے بارے میں تصریح کرنا پڑی کہ یہ روایت ان لفظوں میں ہم کو نہ مل سکی، کیونکہ اربابِ تخریج نے ان روایات کو متقدمین ائمہ حنفیہ کی تصانیف میں تلاش کرنے کے بجائے محدثین مابعد کی ان کتابوں میں تلاش کیا جو ان کے عہد میں متداول تھیں۔

اس سے بعض لوگوں کو صاحبِ ہدایہ کے متعلق قلتِ نظر اور ان حدیثوں کے متعلق ضعف کا شبہ ہونے لگا۔ اور تعجب ہے کہ شیخ عبدالحق دہلویؒ بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں، چنانچہ ہدایہ اور اس کے مصنف کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں: ..... حالانکہ نہ تو صاحب ہدایہ کا شغل حدیث میں کم تھا، کیونکہ وہ

خود بہت بڑے محدث اور حافظ الحدیث تھے اور نہ جو حدیثیں وہ بیان کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں، کیونکہ وہ سب اگلے ائمہ کی کتابوں سے منقول ہیں۔ خود ہم نے متعدد روایات کو دیکھا ہے کہ حافظ زیلعیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ مخرجینِ احادیثِ ہدایہ ان کے بارے میں بہ صراحت لکھتے ہیں کہ وہ ان کو نہ مل سکیں، حالانکہ وہ روایات ''کتاب الآثار'' اور ''مبسوط امام محمد'' وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور یہ کچھ ہدایہ ہی کی خصوصیت نہیں، خود صحیح بخاری کی تعلیقات میں بھی بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے یہی تصریح کی ہے، جس کی اصلی وجہ وہی ائمہ متقدمین کی کتابوں کا فقدان ہے۔ ورنہ امام بخاریؒ یا صاحب ہدایہ کی شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ ان کے متعلق کسی نے بے اصل روایت کے بیان کرنے کا شبہ بھی ظاہر کیا ہو۔

علامہ محمود بن سلیمان کفویؒ نے ''کتائب أعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار'' میں صاحب ہدایہ کے متعلق ان کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ: ''كان إمامًا فقيهًا حافظًا محدثًا مفسرًا'' اور حافظ قرشیؒ نے ''الجواهر المضية'' میں لکھا ہے:

'' رحل وسمع ولقي المشائخ وجمع لنفسه مشيخة كتبتها وعلقت منها فوائد.''

یعنی ''انہوں نے طلبِ حدیث میں رحلت کی، حدیث کا سماع کیا، مشائخ سے ملے اور اپنا مشیخہ جمع کیا، جس کو میں نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے فوائد کو اخذ کیا ہے۔''

مشیخہ وہ کتاب ہے جس میں مؤلف اپنے شیوخ کے حالات اور ان کی مرویات واجازات کو جمع کرتا ہے۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:196-198 مع حاشیہ) اس بارے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: المدخل الى علوم الحديث الشريف، ص:139 - 141، 147۔ فتاویٰ بینات: 2/64 - 78۔ اعلاء السنن: 12/181۔ تدوین فقہ واصول فقہ، ص:127 حاشیہ۔ نظام تعلیم وتربیت: 1/117، 118۔ حادیث احکام اور فقہائے عراق۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدایہ کی جو حدیث متداول کتب حدیث میں نہ ملے، اسے حنفیہ متقدمین کی کتب میں تلاش کرنا چاہیے، چنانچہ حال ہی میں مولانا یوسف شبیر احمد کی کتاب ''العناية في تحقيق الأحاديث الغريبة في الهداية'' شائع ہوئی ہے۔ 2 جلدوں میں ہے۔ اس میں مزید 80 غریب احادیث کی تخریج ہے۔

اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ کسی فقہی مذہب کے پیروکار کے لیے حدیث کے ثبوت کا مدار دراصل اس کے امام مجتہدؒ کے قبول کرنے اور دلیل لینے پر ہے۔ دیکھیے: ''كشف الغمة للشعراني'': 1/30، 31، مجموع فتاوى ابن تيمية: 20/238، 239۔ الاقتصاد في التقليد والاجتهاد، ص:55-60،

تعليقات الشروط الأئمة الستة للكوثري، ص:18، ح:2۔ فتح الملهم:1/179۔ المدخل إلى علوم الحديث الشريف، ص:198۔218 مع حاشیہ۔ قواعد فی علوم الحدیث، ص:117۔

❽ - ہدایہ پڑھانے کا طریقہ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''دلائل کے بیان کے وقت جس قدر ممکن ہو، اصولِ فقہ کے قواعد کا اجراء کرایا جائے۔ حلِ کتاب کے لیے عنایہ اور کفایہ کو بنیاد بنایا جائے، اور دلائل کی تفصیل کے لیے فتح القدیر اور بنایہ للعینی سے مدد لی جائے۔'' (درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟ ص:39)

سبق میں سب مقدمات ترتیب سے ذکر کر کے دلیل کی پوری تقریر کرنی چاہیے۔ ظاہریت کی یلغار کو روکنے کے لیے اس وقت کی اہم ضرورت ہے کہ دلیلِ سمعی کا خلاصہ ہدایہ کے سبق میں بتایا جائے۔ دلیل سمعی معلوم کرنے کے لیے کتب کی ایک فہرست ملاحظہ ہو: المدخل إلى علوم الحديث الشريف، ص:181۔ 188۔ ہدایہ سے پہلے اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث اچھی طرح پڑھ لینا چاہیے، تاکہ ہدایہ میں ان کا اجراء ہو سکے۔

ان کے ساتھ ایک اور چیز کا اضافہ ہونا چاہیے، وہ یہ کہ جو باب مکمل ہو، اس کے بارے میں طلبہ کو کچھ سوالات دیے جائیں، جن کے جوابات کتاب اور اس کی شروح وغیرہ کی مدد سے لکھیں، تاکہ انہیں اسلامی قانون کو واقعات پر منطبق کرنے کا سلیقہ آئے۔ اس کے بغیر فقہ پڑھنے کا پورا فائدہ نہیں ہوتا۔ دیکھیے: ''التلخيصات العشر: ص ح، ناصح الطلبة ملحقہ حقوق العلم: ص102، 103۔ ان امور کی رعایت تب ہی ہو سکتی ہے کہ طلبہ قابل ہوں، استاذ باذوق ہو اور ادارے کا تعاون ہو۔

حضرت نانوتویؒ نے ایک دفعہ حضرت تھانویؒ سے ان کے طالب علمی کے دور میں فرمایا تھا: دیکھو! ایک تو پڑھنا ہوتا ہے اور ایک گننا۔ محض پڑھنا کافی نہیں، گننے کی ضرورت ہے، پھر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک عالم تھے، جنہوں نے ہدایہ کو حفظ کر لیا تھا۔ ان سے ایک دوسرے عالم نے جو ہدایہ کے حافظ تو نہ تھے، لیکن ہدایہ کو خوب سمجھ کر پڑھا تھا، ایک مسئلہ کا ذکر کیا۔ حافظ ہدایہ نے پوچھا: یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہدایہ میں۔ انھوں نے کہا: ہدایہ تو مجھے حفظ یاد ہے، اس میں تو کہیں بھی نہیں۔ اس پر غیر حافظِ ہدایہ نے کہا: یہ مسئلہ ہدایہ ہی کا ہے، اگر کتاب ہو تو میں اس میں دکھا سکتا ہوں، چنانچہ کتاب منگائی گئی، اور انہوں نے اس کے اندر ایک عبارت نکال کر دکھائی جس میں وہ مسئلہ بعینہ تو مذکور نہ تھا، لیکن اس سے بہ استنباطِ قریب مستنبط ہوتا تھا، جس کی تقریر کے بعد حافظِ ہدایہ کو ماننا پڑا کہ واقعی یہ ہدایہ ہی کا مسئلہ ہے اور بہت افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ: بس جی

حقیقت میں ہدایہ کو تم ہی نے پڑھا ہے، ہم نے گویا پڑھا ہی نہیں، محض حفظ کر لینے سے کیا ہوتا ہے؟ حضرت نانوتویؒ نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا: بس یہ فرق ہے پڑھنے اور گننے میں۔ (اشرف السوانح: 1/138، 139۔ نیز دیکھیے: ملفوظات حکیم الامت: 15/135، 136)

❾ ۔ہدایہ کا امتحان لینے کا طریقہ

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''میری رائے امتحان کے بارہ میں یہ ہے کہ امتحان تقریری ہونا چاہیے۔ تقریر میں بہت جلد قلعی کھل جاتی ہے، اور اگر کسی مصلحت سے تحریری ہو بھی تو اس کی لطیف صورت یہ ہے کہ طالب علم کو کتاب دے دی جائے اور اس کے شروح وحواشی جو مانگے سب دے دیے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ فلاں مقام حل کر کے لاؤ، مگر کسی سے مدد مت لو، کیونکہ مقصود تو یہ دیکھنا ہے کہ کتاب جو پڑھی ہے اسے سمجھ بھی گئے؟ یہ دیکھنا نہیں کہ یہ کتاب کا حافظ بھی ہے یا نہیں؟ اس میں طلباء کو بھی سہولت اور امتحان کا مقصود بھی حاصل، اور متعارف طریق میں تو پوری مصیبت ہے ..... نیند خراب، تندرستی خراب، جب تک ساری کتاب حفظ نہ ہو امتحان دے ہی نہیں سکتا۔ ان تجارب کی بنا پر میں جس زمانہ میں کانپور تھا، امتحان کے متعلق نہایت سہل قواعد وضوابط مقرر کیے تھے۔ اس سے اعلیٰ درجہ کی قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ اب اپنا اختیار نہیں، مشورہ ہی کیا تیر چلائے گا؟ چنانچہ مدارس میں جو آج کل امتحان کا طرز ہے کہ ساری کتاب محفوظ ہو تب امتحان دے سکتے ہیں، اس کے متعلق میں نے اہل مدارس کو رائے دی، مگر ایک نے بھی نہیں سنی!'' (ملفوظات حکیم الامت: 4/247)

اس سے واضح ہوا کہ ہدایہ یاد کرانے کے بجائے اچھی طرح سمجھا کر پڑھا دینا اصل مقصود ہے، اور امتحان میں بھی زبانی دلائل پوچھنے کی ضرورت نہیں، پوری عبارت دے کر اس کا حل دریافت کرنا چاہیے۔ یہی درست طریقہ ہے:

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب وبے معید و اوستا

یعنی ''کتاب، معاون اور استاذ کے بغیر اپنے اندر انبیاء کے علوم دیکھو گے۔''

یہ حالت تقویٰ کا ثمرہ ہے جو اہل تقویٰ کی صحبت اور تربیت کے بغیر نہیں آتا۔

❿ ۔هداية اور بدائع الصنائع کا تقابل

امام مرغینانیؒ (م: 593ھ) کے ہم عصر امام کاسانیؒ (م: 587ھ) ہیں۔ بدائع الصنائع ان کی

مشہور ومعروف کتاب ہے۔ ہدایہ اور بدائع دونوں فقہ حنفی کی بنیادی اور مستند کتابیں ہیں۔ ہدایہ کی اہمیت اور فضیلت اوپر معلوم ہوئی۔ بدائع کے بارے میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

''جزئیات تو زیادہ شامی میں ہیں، مگر اصول اور فقہ کی لم زیادہ بدائع میں کہ اس سے مناسبت ہوجائے تو فقہ میں طبیعت چلنے لگے۔'' (تذکرۃ الخلیل: ص294)

نیز فرمایا:

''واقعی یہ شخص (کاسانی) فقیہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو فقہ ہی کے واسطے پیدا فرمایا تھا۔'' (مصدر سابق)

پھر فرمایا:

''مفتیوں کی عادت یہ ہے کہ صرف استفتاء آنے کے وقت کتابیں دیکھتے ہیں، اس سے کام نہیں چلتا اور جواب میں بہت غلطی ہوجاتی ہے، کیونکہ اس وقت جلدی میں ایک جگہ کو دیکھ کر جواب لکھ دیتے ہیں، حالانکہ دوسرے مقام میں اس مسئلہ کے اندر تفصیل معلوم ہوتی ہے، جس سے اس واقعہ مسئولہ کا حکم بدل جاتا ہے۔ پس فقہ سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے شامی اور بدائع کو بالاستیعاب دیکھنا چاہیے۔ ہمارے حضرت گنگوہیؒ نے شامی کو کئی بار بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا ہے۔'' (مصدر سابق)

حضرت کشمیریؒ ''بدائع'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''كتاب بديع إن طالعه عالم بالغور والإمعان لصار فقيه النفس، وهو أنفع للمدرسين والمؤلفين منه للمفتين.'' (تراجم ستة من فقهاء العالم الإسلامي، ص: 39)

''بدائع بے مثال کتاب ہے، اگر کوئی عالم اسے غور وامعان سے مطالعہ کرے تو فقیہ النفس بن جائے۔ یہ مدرسین اور مؤلفین کے لیے مفتیوں سے زیادہ مفید ہے۔''

بدائع کی عبارت ہدایہ کی نسبت سہل اور واضح ہے۔ اس میں مسائل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اس لیے بدائع مطالعہ کے لیے بہت مفید ہے۔ ہدایہ کے مسائل کی تشریح کے لیے اس سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن درسی کتاب بننے کے لائق ہدایہ ہی ہے، کیونکہ ذہن کی تربیت اسی سے ہوتی ہے۔ نیز بدائع تو مطالعے سے حل ہوجاتی ہے۔ مفتی عبدالشکور ترمذیؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص محنت سے سمجھ کر ہدایہ کی چاروں جلدیں پڑھ لے، اس کو فقہ سے خوب مناسبت بلکہ مہارت پیدا ہوجاتی ہے۔'' (حیاتِ ترمذی، ص:127)

هٰذا و رحم الله الفقهاء والعلماء أجمعين، آمين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

بدگوئی، بدزبانی اور فحش کلامی

مولانا قاری محمد سلمان عثمانی

دین اسلام کی بنیاد ہی اچھے اخلاق، نرم لہجے اور پاکیزہ گفتگو پر ہے۔ بدگوئی، فحش کلامی، گالی گلوچ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، بلکہ یہ انسان کے اخلاقی زوال کی بھی علامات ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں متعدد بار زبان کی حفاظت کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا تمسخر اُڑانے سے منع فرمایا ہے اور اسی طرح سورۃ البقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے اچھی بات کہو۔ ان آیات میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے، طعنہ دینے اور فحش کلامی سے منع کیا گیا ہے:

''تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو تم سب میں زیادہ با اخلاق ہو۔'' (صحیح بخاری)

اسی طرح ایک اور حدیث میں بیان ہوتا ہے:

''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری)

اسی طرح ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

''بندے کو سب سے اچھی چیز کیا عطا کی گئی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خوش خلقی۔'' (سنن ابن ماجہ)

مسلمان کو گالی دینا فسق یعنی گناہ ہے۔ ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''وہ دو شخص جو ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، وہ دونوں شیطان ہوتے ہیں جو بکواس اور جھوٹ بولتے ہیں۔'' (مسند احمد)

اسی طرح آپ ﷺ نے منافق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بتائی ہے کہ جب بھی وہ کسی سے اختلاف کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مسلمان کو اذیت نہ دو، انہیں عار نہ دلاؤ، اور ان میں عیوب تلاش مت کرو، کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عیب گیری کرتا اور جس کی عیب گیری اللہ تعالیٰ کرنے لگے وہ ذلیل ہو جائے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔'' (جامع ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ساری بھلائی اسی میں ہے، جہاد کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ یہ مسلمانوں کے لیے ریاضت ہے، اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف رکھو، کیونکہ یہ زمین پر نور کا سرچشمہ ہیں اور آسمان پر معروف ہیں۔ (نبی کریم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ:) جب بھی زبان سے کچھ بولو تو اچھی بات بولو، ورنہ خاموش رہو، کیونکہ ایسا کرنے سے تمہیں شیطان پر غلبہ پانے اور دینی امور احسن طریقے سے ادا کرنے میں مدد ملے گی۔'' (المعجم الکبیر، ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو مسلمان ہے وہ طعنے نہیں مارتا اور نہ لعنت بھیجتا ہے اور نہ فحش گوئی کرتا ہے اور نہ بدزبانی کرتا ہے۔'' (ترمذی شریف)

بیہودہ گوئی کی پہلی قسم کو قرآن وحدیث میں اس کی تمام صورتوں کے ساتھ ممنوع قرار دیا گیا ہے اور بدزبانی کو بے حیائی میں شامل کر کے اس سے روکا گیا ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ:

''جس کے اندر حیا آجائے تو وہ اس کو زینت یعنی شرافت وعزت دیتی ہے اور جس کے اندر بدزبانی اور تندخوئی آجائے تو اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔'' (سنن ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ بدزبانی ذلت ورسوائی کا اور شرم وحیا عزت وعظمت کا سبب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو کوئی اس دنیا میں لوگوں کے وقار کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بدلے اس کے گناہ مٹا دے گا، جو کوئی بھی دنیا میں لوگوں پر آنے والے غصے پر قابو کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔'' (احیاء علوم الدین)

بخاری ومسلم کی روایت میں نبی اکرم ﷺ نے گالی گلوچ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''منافق کی چار نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے،

امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔''

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''جب دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں تو گناہ ابتدا کرنے والے پر ہی ہوگا، جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔''

ایک طرف تو نبی اکرم ﷺ نے گالی گلوچ سے منع کیا اور فرمایا کہ اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہوگا اور دوسری طرف اخلاقی طور پر یہ بھی ہدایت کی ہے کہ گالی کا جواب گالی سے نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس طرح کرنے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے (اسے چاہیے یا تو) وہ بھلائی کی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری:6018، صحیح مسلم:4774)

ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ:

''صالحین اپنی زبان کو قابو میں رکھنے کے لیے دوسروں سے کی جانے والی گفتگو کا خود سے محاسبہ کرتے تھے۔ اسی طرح ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے پہلے کہ اس کا آخرت میں حساب ہو وہ دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ دنیا میں اپنا محاسبہ کر لینا آخرت میں حساب سے زیادہ آسان ہے۔ دنیا میں اپنی زبان پر قابو پا لینا آخرت میں شرمندگی برداشت کرنے کی نسبت آسان ہے۔'' (تنبیہ الغافلین)

آج کل دیگر ذرائع ابلاغ اور عام گفتگو میں فحش کلمات کا استعمال زیادہ ہوتا جا رہا ہے اور یہ مزاح کا حصہ بنتا جا رہا ہے جو انتہائی افسوسناک ہے۔ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زبان کو بدگوئی اور فحش کلامی سے محفوظ رکھنا ہوگا۔ بدزبانی اور گالی گلوچ سے مغلظات ہی مراد نہیں، بلکہ ہر وہ بات اس میں داخل ہے جو دوسرے کی توہین و تحقیر یا دل آزاری کا سبب ہو، حضور اکرم ﷺ نے نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں ارشاد فرمایا کہ:

''تم میں سے کوئی اپنے ماں باپ کو برا بھلا نہ کہے، لوگوں نے عرض کیا کہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ (یعنی یہ بات تو کسی بھی شخص سے نہیں ہو سکتی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ پلٹ کر اس کے ماں باپ کو ایسا ہی کہے گا۔ (گویا اس کی گالی سبب بن گئی ہے، اپنے ماں باپ کی گالی کا، اس لیے ایسی بدزبانی نہ کی جائے)۔''

بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ:

''کسی مسلمان کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے اور اس سے قتل وقتال کرنا تو گویا کفر ہے۔''

بدزبانی یا گالی گلوچ کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کی معافی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کے ساتھ بدزبانی کی گئی ہے، کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کو بدزبانی اور گالی دینے سے اس حد تک روکا ہے کہ اپنے ماتحتوں، نوکر چاکر اور خادموں کے ساتھ بھی یہ معاملہ نہ صرف جُرم قرار دیا، بلکہ اس کو زمانۂ جاہلیت کی یادگار قرار دے کر اس سے دلوں میں نفرت بھی پیدا کر دی۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو ڈانٹا اور برا بھلا کہا، حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم میں ابھی تک دورِ جاہلیت کا اثر باقی ہے، یہ تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت پر لگا دیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ان سے بھائیوں جیسا معاملہ کرو۔ مسلمان کی عزت کی اس قدر حرمت ہے کہ جو کوئی اسے نقصان پہنچائے، اس کی نمازیں تک قبول نہیں ہوتیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو کوئی کسی مسلمان کی آبروریزی کرتا ہے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے اور اس کی فرض عبادت قبول نہیں ہوتی۔'' (صحیح بخاری)

حدیث میں لعنت کرنے کو مومن کے قتل کا مترادف قرار دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کرنے کی طرح ہے۔'' (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر: 1058)

یہ تو وہ سنگین بدزبانی اور فحش گوئی تھی جس کا تعلق انسانوں سے تھا، آپ ﷺ نے تو جانوروں کو بھی گالی اور کوسنے کو نہ صرف یہ کہ ناپسند فرمایا، بلکہ اس پر مناسب سزا بھی دی ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تھے، مسافروں میں ایک خاتون بھی تھیں، جس اُونٹنی پر وہ سوار تھیں اس نے کچھ شوخی کی، اس خاتون نے اُونٹنی پر لعنت بھیج دی، آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ انہیں اُس اُونٹنی سے اتار دیا جائے، آپ ﷺ نے ان کو اونٹنی سے محروم کر کے گویا سزا دی، تاکہ آئندہ ان کو عبرت ہو۔ اللہ جل شانہٗ ہمیں صحیح معنی میں دین پر چلنے والا بنائے، گالی، بے ہودہ کلام اور بدگوئی سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اسلامی طرزِ حیات اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا محمد راشد شفیع
کراچی

اسلام کے مطابق زندگی گزارنا دراصل ایک مکمل ضابطۂ حیات کو اختیار کرنے کا نام ہے، جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ اسلام صرف عبادات کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ انسان کی انفرادی، اجتماعی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے۔ جب انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ڈھالتا ہے تو اس کی زندگی میں سکون، اعتدال اور برکت پیدا ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات انسان کو عدل، احسان، دیانت اور تقویٰ جیسے اعلیٰ اوصاف اپنانے کی ترغیب دیتی ہیں، اور برائیوں، ظلم، جھوٹ اور ناانصافی سے بچنے کا درس دیتی ہیں، ایک مسلمان کی پہچان اس کے کردار، گفتار اور معاملات سے ہوتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی اصولوں کو اپنائیں، تاکہ ایک بہترین فرد اور صالح معاشرہ تشکیل پا سکے۔

عقائد سیکھیں

اسلامی عقائد سیکھیں، اہل سنت والجماعت کے عقائد معلوم کریں اور انہی کو اپنا عقیدہ بنائیں۔

نمازوں کی پابندی کرنا

ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر پانچ نمازیں فرض ہیں، ان کو کسی بھی حال میں نہ چھوڑیں، اور وتر کی نماز عشاء کے فرضوں کے بعد پڑھنا واجب ہے، اس کو بھی کبھی قضا نہ ہونے دیں، مرد مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور عورتیں گھروں میں نماز ادا کریں۔

نمازوں کی درستگی

نمازیں صحیح طریقہ پر یاد کریں، اور بچوں کو بھی صحیح طریقہ پر نمازیں سکھائیں اور یاد کرائیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہو جائیں اور (نماز نہ پڑھنے

پر)ان کو مارو، جب وہ دس برس کے ہوجائیں اوران کے بستر بھی علیحدہ کردو۔(مشکوٰۃ المصابیح)

نمازِ جمعہ کا اہتمام

نمازِ جمعہ کا خاص اہتمام کریں،قرآن کریم میں ارشاد ہے:''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف روانہ ہوجایا کرواور خرید وفروخت کو چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''(الجمعہ)

قضا نمازوں کی ادائیگی

جب سے بالغ ہوئے ہیں فرض نمازیں اور واجب وتر کتنے قضا کیے؟ ان سب کا حساب لگائیں کہ دل یہ کہہ دے کہ اس سے زیادہ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں گی، پھر جلد سے جلد انہیں ادا کریں۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

جو لوگ مالدار ہیں ہر سال زکوٰۃ ادا کریں، اس میں انگریزی مہینوں کا اعتبار نہیں، زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے کوئی بڑا مالدار ہونا ضروری نہیں۔612 گرام، 35 ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت یا اس کے برابر مالِ تجارت ملکیت میں ہونے سے زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے اور یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے، زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے واجبات بھی مال سے متعلق ہیں، مثلاً: صدقۂ فطر ادا کرنا اور عیدالاضحیٰ میں قربانی کرنا، اور بیوی بچوں پر والدین پر قواعدِ شرعیہ کے مطابق خرچ کرنا، اگر قسم توڑ دی ہو تو اس کا کفارہ دینا، ان سب کی ادائیگی بھی لازم ہے، نفلی صدقہ بھی کرتے رہیں اور خیر کے کاموں میں خرچ کریں، قیامت کے دن فرائض اور واجبات اور نوافل سب ہی نجات کا اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنیں گے۔

رمضان کے روزے

ماہِ رمضان کے روزے پابندی سے رکھیں، جن بچوں کو طاقت ہو ان سے بھی رکھوائیں، نفل روزوں کی بھی بڑی اہمیت ہے، اسلامی مہینوں کی 13، 14، 15 تاریخ اور پیر وجمعرات، ماہِ شوال میں چھ روزے، ذوالحجہ کی نویں تاریخ اور محرم کی 10 تاریخ کو نفلی روزے رکھنے کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔

فرض حج کی ادائیگی کی فکر کرنا

جن لوگوں پر حج فرض ہے، ادائیگی میں جلدی کریں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جسے حج کرنے سے کوئی مجبوری یا ظالم بادشاہ نہ روکے، پھر وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہوکر مرجائے اور چاہے تو نصرانی ہوکر مرے۔(مشکوٰۃ المصابیح)

تلاوت کا اہتمام

قرآن مجید کی تلاوت پابندی کے ساتھ کریں، قرآن مجید کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، بچوں کو بھی قرآن کریم کی تعلیم دلوائیں۔

ذکر اللہ کی کثرت

اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایمان والوں کو حکم فرمایا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔

آپس میں محبت و ہمدردی

سب مسلمان آپس میں محبت اور ہمدردی کے ساتھ رہیں، اور ایک دوسرے کی معاونت و مدد اور خدمت کرتے رہیں، چھوٹوں پر شفقت کریں، بڑوں کا اکرام کریں، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم مومنوں کو آپس میں رحم کرنے اور محبت و شفقت رکھنے میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے، وہ اس طرح ہوں گے جیسے ایک ہی جسم ہوتا ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی میں مبتلا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حیا والا لباس پہننا

سب مرد و عورت وہ لباس پہنیں جو اسلام نے ان کے لیے تجویز کیا ہے، ستر ڈھکنے والا، حیا والا لباس ہو، مرد ٹخنے سے اونچا کپڑا پہنیں، عورتیں موٹا لباس پہنیں، موٹے دوپٹے اوڑھیں، نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہو کر نہ آئیں، جہاں تک ہو سکے گھروں میں رہیں، گھروں سے نکلیں تو بے پردہ نہ ہوں، برقعے چمکیلے فیشن ایبل نہ ہوں۔

حقوق العباد کی ادائیگی

حقوق العباد کی ادائیگی کی فکر کریں، خوب غور کریں کہ مجھ پر کس کا کیا حق ہے؟ جس کسی کا کوئی مالی حق ہو مثلاً کسی کے ذمہ قرض رہ گیا ہو یا خیانت کی ہو یا بلا اجازت کچھ لے لیا ہو اور صاحبِ حق کو معلوم ہو یا نہ ہو، خود جا کر ادا کریں۔ جس کسی کی غیبت کی ہو یا غیبت سنی ہو یا کسی پر تہمت رکھی ہو تو معافی مانگیں، ورنہ اس کے لیے اتنا استغفار کریں کہ دل گواہی دے کہ اس کا حق ادا ہو گیا، اس لیے کہ حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہے، آخرت میں حقداروں کو اپنی نیکیاں دینا پڑیں گی اور اگر اپنی نیکیوں سے پورا نہ پڑا تو ان کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے۔ خوب فکرمند ہونے کی ضرورت ہے۔

رزقِ حلال

حلال کمائیں اور حلال کھائیں، اپنے ذرائع آمدنی کے بارے میں علماء سے معلوم کریں کہ حلال ہیں یا نہیں۔ رشوت نہ لیں، سودی کاروبار سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں۔

دل کو شرکیہ اور کفریہ عقائد سے پاک رکھنا

دل کو شرکیہ اور کفریہ عقائد، ریاکاری، دشمنی، حسد، بغض، کینہ، تکبر وغرور، ہاتھوں کو حرام کمانے، اور ناپ تول میں کمی کرنے سے، چوری، خیانت اور ڈکیتی سے، پاؤں کو گناہ کی طرف چل کر جانے سے، آنکھوں کو بدنظری سے، شرمگاہ کو اس کے خاص گناہ سے، کانوں کو گانا بجانا، غیبت اور ہر بری بات سننے سے، زبان کو غیبت کرنے، کسی پر تہمت دھرنے، عیب لگانے، جھوٹ بولنے، گالی دینے، جھوٹی قسم کھانے اور لایعنی باتوں سے، پیٹ کو حرام غذا سے اور سارے جسم کو ہر گناہ سے محفوظ رکھیں۔

شکل وصورت میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع

رسول اللہ ﷺ کا اتباع کریں، شکل وصورت اور عادات واطوار میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں، آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی جو سینہ مبارک پر پھیلی ہوئی تھی۔

اولاد کی دینی تعلیم

اپنی اولاد کو قرآن مجید حفظ یا ناظرہ پڑھوائیں، علم دین پڑھائیں، حدیث وتفسیر، فقہ وفتاویٰ کا مدرس بنائیں، کافروں وفاسقوں کی صحبت اور ان کے طور وطریق اختیار کرنے سے بچائیں۔

علماء کرام اور بزرگان دین کی مجالس

علماء کرام اور بزرگانِ دین کی مجلسوں میں جایا کریں، اپنی اولاد کو بھی لے جایا کریں، نیک بندوں سے تعلق رکھیں، اہلِ سنت حضرات علماء کرام کی کتابیں پڑھا کریں، تاکہ دنیا کی محبت کم ہو اور دل میں آخرت کی محبت جگہ پکڑے اور اگر کوئی مرشد کامل متبعِ سنت مل جائے جو متقی ہو، اس سے بیعت ہو جائیں۔

توبہ واستغفار

تمام گناہوں سے پکی توبہ کریں، جب کبھی گناہ ہو جائے تو جلدی توبہ کی طرف متوجہ ہوں، اور کثرت کے ساتھ استغفار کرتے رہا کریں، مسلمان کا کام ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے بندوں کو کامیاب اور بامراد بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگانِ دین کی اتباع نصیب فرمائے، آمین

عیب جوئی کی قباحت و مذمت
قرآن وسنت کی روشنی میں

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصص علومِ حدیث، جامعہ

موجودہ دور میں دیکھا جارہا ہے کہ مسلمانوں میں آپس کے اختلافات، اور باہمی جھگڑے بڑھتے جارہے ہیں، خاندانوں میں پہلی سی اُلفت ومحبت کے بجائے فسادات جنم لے رہے ہیں، اور رشتہ داروں کے مابین لڑائیوں میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، اگر ہم ان اسباب پر غور وفکر کریں جن کی وجہ سے یہ سماجی فساد اور معاشرہ کا بگاڑ پیدا ہوا ہے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کی اہم وجہ دوسروں کی عیب جوئی ہے۔

دوسروں میں عیب نکالنا، غیروں کی کوتاہیوں کی ٹوہ میں رہنا، اوروں کی خامیاں تلاش کرنا، اور اپنی نظریں دیگر انسانوں کے نقص ڈھونڈنے میں لگانا ایک ایسی روحانی بیماری اور قبیح عادت ہے، جس کی وجہ سے انسان پر دوسروں کی خوبیاں اور اچھائیاں مخفی ہوجاتی ہیں، اور نادیدہ، بلکہ غیر موجود عیوب بھی نظر آنے لگتے ہیں، اور بالآخر یہ بری خصلت لڑائی جھگڑوں کا سبب بنتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور سنتِ طیبہ میں دوسروں کی عیب جوئی کرنے کی بڑی مذمت آئی ہے، اور سخت الفاظ میں اس سے روکا گیا ہے، لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں عیب جوئی کی قباحت ومذمت کا ذکر کیا جارہا ہے، تاکہ ہم اس کے برے نتائج سے محفوظ رہیں۔

عیب جوئی منافقوں کی خاصیت

دوسروں کی عیب جوئی کرنا، اپنی بصیرت وبصارت پر نفرت کا سیاہ چشمہ لگا کر لوگوں کے اچھے اعمال میں بھی خامیاں ڈھونڈنا، بھلائی سے صرفِ نظر کرکے کمی کوتاہیاں کرنا منافقوں کی خاصیت وعادت ہے، وہ اوروں کے نیک اعمال پر بھی نکتہ چینی اور طعن وتشنیع کا مشغلہ جاری رکھتے ہیں، چنانچہ سورۂ توبہ (آیت:79) میں ہے:

''اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ''

ترجمہ: ''(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں کو بھی طعنے دیتے ہیں، اور ان لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ میسر نہیں ہے۔''

عیب نکالنے والے کے لیے بربادی

عیب نکالنا ایسی بری صفت ہے کہ ایسے شخص کے لیے بربادی وخرابی کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے، کیونکہ اس کی اس عادت کی وجہ سے لوگوں کے درمیان فتنہ وفساد اور دلوں میں نفرت وعناد پیدا ہوتا ہے، اور ایک بیمار معاشرہ جنم لیتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَیۡلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ'' (الہمزۃ:1)

ترجمہ: ''وَیل یعنی بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو۔''

دوسروں کے عیب پر نظر

انسان عموماً اپنے عیوب اور خامیوں کی طرف نظر نہیں کرتا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، لیکن دوسرے انسان کا چھوٹا عیب بھی دکھائی دیتا ہے، اس حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل الفاظ سے بیان کیا ہے:

''یبصر أحدکم القذاة في عین أخیه، و ینسی الجذع في عینه.''(1)

ترجمہ: ''تم میں سے بعض کو اپنے بھائی کی آنکھ میں موجود تنکا دکھائی دیتا ہے، لیکن اپنی آنکھ میں موجود شہتیر کو بھول جاتا ہے۔''

اس حدیث میں ایک اہم حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ دوسروں پر زیادہ نظر رکھنے کے بجائے سب سے پہلے اپنی اصلاح اور خود میں موجود خامیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر کی جائے، دوسرے مسلمان بھائیوں کے عیوب دیکھنے سے قبل اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں وہ عیوب ہم میں تو موجود نہیں۔

عیب جوئی معاشرہ کے بگاڑ کا سبب

عیب گوئی ایسا گناہ ہے جس کے بداثرات صرف اس کا ارتکاب کرنے والے تک محدود نہیں رہتے، بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی نحوست سے متاثر ہوتے ہیں۔ دوسروں کی ٹوہ میں لگنا، نکتہ چینی اور عیب بیان کرنا معاشرہ کے بگاڑ میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ سنن ابوداود کی ایک روایت میں ہے:

''إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَّهُمْ اَوْ كِدْتَّ اَنْ تَفْسُدَهُمْ.''(2)

ترجمہ: ''بیشک اگر تم لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہو گے تو انہیں بگاڑ دو گے۔''

شکل وصورت میں عیب نکالنا

شریعت میں ہر قسم کی عیب جوئی ممنوع ہے، خواہ زبان سے دوسروں کے عیوب بیان کیے جائیں، یا اشارہ، کنایہ اور کسی دوسرے طریقہ سے دوسروں کی شکل وصورت میں عیب نکالا جائے، یا ان کے جسم کے دیگر اعضاء میں، بہرصورت ناجائز ہے، اور عیب جوئی اتنی قبیح خصلت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ فرمائی؛ کیونکہ ان سے نادانستہ طور پر بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کے قدوقامت سے متعلق ایک طرح سے اظہارِ عیب کا ارتکاب ہو گیا تھا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''قلت للنبي صلى الله عليه وسلم: حسبك من صفية كذا وكذا قال غير مسدد تعنى قصيرة. فقال : '' لقد قلت كلمة لو مزجت بماء البحر لمزجته '' قالت: وحكيت له إنسانًا فقال: ما أحب أني حكيت إنسانًا وأن لي كذا وكذا .''(3)

ترجمہ: ''میں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ کو صفیہ کا فلاں فلاں عیب کافی ہے۔ (راوی مسدد کے علاوہ دوسرے رواۃ نے کہا کہ ان کے کوتاہ قد کی طرف اشارہ کر رہی تھیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر کے پانی میں گھول دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں: میں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پسند نہیں ہے کہ کسی آدمی کی نقل اتاروں، اگرچہ مجھے ایسا کرنے پر اتنی اتنی دولت ملے۔''

اس حدیث مبارک سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی کی خامی پر نظر رکھنا، اور کسی کے عیب بیان کرنا انتہائی بری حرکت ہے، اور جس طرح زبان سے عیب جوئی ممنوع ہے، اسی طرح دیگر اعضاء کے ذریعے بھی ممنوع ہے۔

رنگ ونسل کی وجہ سے عیب لگانا

جس طرح دوسروں کے کاموں میں عیب نکالنا، ان کی ظاہری صورت، اعضاء وغیرہ میں خامیاں نکالنا جائز نہیں، اسی طرح رنگ ونسل کی وجہ سے عیب لگانا شرعاً ممنوع ہے، اور سخت قابلِ مؤاخذہ ہے، جس کا

اندازہ بخاری شریف کی درجِ ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے:

''عن المعرور بن سويد، قال: لقيت أبا ذر بالربذة، وعليه حلة، وعلى غلامه حلة، فسألته عن ذٰلك، فقال: إني سببت رجلًا فعيرته بأمه، فقال لي النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا ذر أعيرته بأمه؟ إنك امرؤ فيك جاهلية.''(4)

ترجمہ: ''حضرت معرور بن سوید کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مقامِ ربذہ پر ملا، اس حال میں کہ ان کے جسم پر ایک جوڑا تھا اور اسی قسم کا جوڑا ان کے غلام کے جسم پر بھی تھا۔ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ میں نے ایک آدمی کو برا بھلا کہا اور اسے اس کی ماں کی وجہ سے عیب لگایا، (جب یہ خبر نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو) حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کے ذریعے عار دلائی ہے؟ اقرار کرنے پر فرمایا: تم ایسے آدمی ہو کہ ابھی تک تم میں جاہلیت ہے۔''

اور ایک دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ''یا ابن السوداء؟''(5) یعنی ''اے سیاہ عورت کے بیٹے!'' کہہ کر عار دلائی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے رنگ کو لے کر عیب جوئی کرنے اور عار دلانے کی سخت ممانعت ہے۔ بہرحال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی جلیل القدر صحابیؓ تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی غلطی کی تلافی کے لیے جو طریقہ اختیار کیا، اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا:

''فألقى أبوذر نفسهٗ بالأرض، ثم وضع خدهٗ على التراب، وقال: والله لا أرفع خدي من التراب حتى يطأ بلال خدي بقدمه.''(6)

ترجمہ: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو زمین پر ڈالا، اور اپنا رخسار مٹی پر رکھا، اور کہا: اللہ کی قسم! میں اپنا چہرہ مٹی سے نہیں اٹھاؤں گا، یہاں تک کہ بلالؓ اپنے پاؤں سے میرا رخسار روندے۔''

سبحان اللہ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے اولو العزم اور اعلیٰ صفات و کردار کے مالک تھے، غلطی کا اِدراک ہوتے ہی اس کی تلافی کرتے، ہمیں بھی ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

عیب گوئی پر وعید

عیب جوئی کی ایک بہت بڑی وعید یہ ہے کہ عیب گوئی کرنے والا مرنے سے پہلے خود بھی اس عیب

میں مبتلا ہوگا، جو اس نے لوگوں کے سامنے بیان کیا ہوگا، چاہے کتنا ہی اس سے بچنے کی کوشش کرے، لیکن پھر بھی دسرے مسلمان کو ایذا دینے اور اس کی عیب جوئی کرنے کا وبال بھگتے گا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''صعد رسول الله صلى الله عليه و سلم المنبر فنادى بصوت رفيع، فقال: يا معشر من قد أسلم بلسانهٖ ولم يفض الإيمان إلى قلبهٖ، لاتؤذوا المسلمين ولا تعيروهم ولا تتبعوا عوراتهم، فإنهٗ من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورتهٗ، ومن تتبع الله عورتهٗ يفضحهٗ ولو في جوف رحلة.''(7)

ترجمہ: ''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو، لیکن دل میں ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں کو اذیت مت دو، انہیں عار نہ دلاؤ، اور نہ ان میں عیوب تلاش کرو؛ کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اور اللہ تعالیٰ اگر کسی کے عیب کے پیچھے لگ جائے تو اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا، خواہ وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔''

کھانے میں عیب نکالنا

عیب نکالنے کی قباحت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی انسان کے عیوب پر نظر رکھنا، اور لوگوں میں پھیلانا تو دور کی بات نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے کھانے کا عیب نکالنے سے بھی روکا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ما عاب النبي صلى الله عليه وسلم طعامًا قط، إن اشتهاه أكله وإلا تركه.''(10)

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر آپ ﷺ کو کھانا پسند ہوتا تو تناول فرماتے، ورنہ (خاموشی سے) چھوڑ دیتے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ معاشرہ کے بگاڑ، آپس کے نزاعات، خاندانی جھگڑوں اور فتنہ وفساد کی جڑ عیب جوئی ہے، اس کے برے اثرات کی وجہ سے قرآن وسنت میں سختی سے عیب گوئی سے منع کیا گیا ہے، اور اس پر وعیدیں بیان کی گئی ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس بدخصلت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، اور ایک صحت مند معاشرہ کی تخلیق کا سبب بنیں۔

حواشی وحوالہ جات

1- صحيح ابن حبان، (13/ 73)، باب الغيبة، رقم الحديث: 5761، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: 1408ھ- 1988م

2- سنن أبي داود، (4/ 423)، كتاب الأدب، باب في النهي عن التجسس، رقم الحديث: 4890، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت

3- سنن أبي داود، (4/ 420)، كتاب الأدب، باب في الغيبة، رقم الحديث: 4877

4- صحيح البخاري، (1/ 15)، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية، رقم الحديث: 30

5- شعب الإيمان، (7/ 131)، باب حفظ اللسان، رقم الحديث: 4772، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض

6- شرح صحيح البخاري لابن بطال، (1/ 88)، الناشر: مكتبة الرشد- الرياض، ط: 1423ھ- 2003م

7- سنن الترمذي، (4/ 378)، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في تعظيم المؤمن، رقم الحديث: 2032، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت

8- صحيح البخاري، (3/ 7)، أبواب العمرة، باب لا يطرق أهله إذا بلغ المدينة، رقم الحديث: 1801

9- صحيح البخاري، (7/ 39)، كتاب النكاح، باب طلب الولد، رقم الحديث: 5246

10- صحيح البخاري، (4/ 190)، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: 3563

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

صبر کی اہمیت وفضیلت

سید محمد بنوری حسینی
متعلم درجہ رابعہ، جامعہ

انسانیت کے وجود کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے آزمائش لکھ دی، یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی جب اس دنیا میں بھیجا گیا تھا تو اس کی ظاہری صورت بھی آزمائش بنائی گئی، تاکہ تمام بنی آدم کے لیے یہ سبق ہو جائے کہ صبر ازل سے ان کے حق میں لکھا گیا ہے، لہٰذا ہر انسان صبر کو اپنا شعار بنائے، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو تبلیغ کی اور قوم کی جانب سے انہیں سخت تکالیف پہنچائی گئیں، تو انہوں نے بدلہ نہ لیا بلکہ صبر کیا، جس کی بدولت اللہ نے ان کو اس قوم اور ان کی مصیبتوں سے نجات عطا فرمائی، اور یہی وہ صبر تھا جسے دورانِ علالت اپنا ہتھیار بنا کر حضرت ایوب علیہ السلام نے شیطان کے مقابلہ میں شان دار فتح حاصل کی اور بارگاہِ ایزدی سے ''نِعْمَ الْعَبْدُ'' کا اعزاز پایا، اور اسی صبر وذکر کی بدولت حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی، اور اسی بلند مرتبت عمل کی وجہ سے حضرت ابرہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کہلائے، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر ہی تھا جس کی بدولت اللہ نے انہیں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی حضرت یوسف علیہ السلام لوٹایا، اور اسی کی بدولت حضرت یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کہلائے، اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا کو مشرکین مکہ، پھر اہل طائف نے تکالیف پہنچائیں، لیکن آپ ﷺ نے صبر کیا جس کی بدولت یہ دین پورے عالم میں پھیلا ہے۔

صبر کا لغوی معنی ہے: روکنا، یعنی نفس کو روکنا شیطان کے مکر وفریب کا شکار بننے سے یا آزمائش کے وقت جزع فزع سے۔

علماء کرام نے صبر کی تین اقسام ذکر کی ہیں: جن میں سے پہلی: صبر علی الطاعۃ، دوسری: صبر عن المعاصی اور تیسری: صبر علی المصائب ہے۔

صبر علی الطاعۃ: سے مراد ہے کہ اطاعت الٰہی اور نیک اعمال کرنے کا دل نہ چاہے تب بھی وہ سستی

کے باوجود نماز ترک نہ کرے، زکوۃ وصدقات کی ادائیگی میں بخل کو آڑے نہ آنے دے، غرض نفس وشیطان کے بہکاوے کے باوجود اعمال صالحہ پر صبر واستقامت کے ساتھ کاربند رہے۔

صبر عن المعاصی: کا یہ مطلب ہے کہ انسان کا دل چاہ رہا ہے کہ وہ گناہ کر لے، کوئی موجود نہیں، اور کوئی دیکھ نہیں رہا۔ عند زعمہ۔ لیکن وہ پھر بھی اپنے نفس کو روکتا ہے اور اگر اس کا رکنا صرف اور صرف اللہ کے خوف اور اس سے ڈرتے رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے تو اسی کو صبر عن المعاصی یعنی گناہوں کے ارتکاب سے بچنا کہتے ہیں، اور گناہوں کے چھوڑنے پر ہمیشگی اختیار کرنا اور دل کے چاہنے اور جملہ اسباب کے مہیا ہو جانے کے باوجود اس کے نہ کرنے پر صبر کرنے کی بدولت اللہ اس صابر سے جنت کا وعدہ کرتے ہیں، کیونکہ شیطان نے اللہ سے کہا تھا کہ تیرے نیک بندوں کو آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں چاروں طرف سے بہکاؤں گا تو اللہ نے کہا کہ میرے نیک بندے تیرا شکار نہیں بنیں گے، اسی لیے شیطان ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اور خاص طور پر مسلمانوں کو بہکاتا ہے، جبکہ اللہ کے نیک بندے صبر کرتے ہیں شیطان اور اس کی کوششوں پر، اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس کے شر ورفتن سے، پھر اللہ کی مدد واعانت سے اطاعتِ خداوندی کو بجالاتے رہتے ہیں۔

صبر علی المصائب: کا معنی یہ ہے کہ مسلمان پر جب غیر اختیاری مصیبتیں، تکالیف اور پریشانیاں آتی ہیں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے، شکوہ وشکایت نہیں کرتا تو اس کو صبر علی المصائب کہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ، الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ'' (البقرۃ: 155 تا 157)

یعنی ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے خوف میں ڈال کر، یعنی اللہ تعالیٰ خوف میں ڈالیں گے، پھر دیکھیں گے کہ تم صبر کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہو یا نہیں۔

اور بھوک کے ذریعے بھی آزمائش میں ڈال سکتے ہیں، فقر وفاقہ، تنگ دستی وغیرہ، ایسی حالت میں پتہ چلتا ہے کہ آدمی صبر کر کے صرف اللہ کے در کا سوالی بنتا ہے، یا پھر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں سے بھی مانگنا شروع کر دیتا ہے!!! کیونکہ جس نے بھی کسی کے سامنے اظہارِ غم کر دیا، گویا اس نے صبر کیا ہی نہیں۔

اور آزمائش کے لیے تیسری چیز مال کا کم ہونا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے مال میں کمی کر کے صبر کا

امتحان لیتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں، جسے جتنا چاہیں عطا کر دیں اور جس سے جو چاہیں اور جتنا چاہیں واپس لے لیں۔

اب چوتھی چیز جس میں اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں وہ ہے جانوں میں کمی کا آنا یعنی اموات کا واقع ہونا۔ جان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں اور جس سے چاہیں اپنی امانت واپس لے لیں، کیونکہ اللہ حاکم وحکیم ہیں، وہی جانتے ہیں کہ ہر کام میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جب کسی انسان کا کوئی قریبی عزیز اس دارِفانی سے کوچ کر جاتا ہے تو اس وقت صبر کا مظاہرہ کرنا انتہائی کٹھن امر ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

''قال ﷺ: ''إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى.''(بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''صبر تو وہی ہے جو پہلے صدمے کے وقت ہو۔''

یعنی مصیبت آتے ہی ابتدائی اور پہلے مرحلہ میں صبر کرنا اور شکوہ نہ کرنا اصل صبر ہے اور اسی پر اجر ملتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانچویں آزمائش پھلوں میں کمی واقع ہونا ہے، یہ کسانوں اور محنت کشوں پر بہت بھاری اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے، اس کے باوجود مومن بندے صبر کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہیں۔

ان تمام لوگوں کے لیے جو مختلف آزمائشوں اور پریشانیوں پر صبر کرتے ہیں، اللہ فرما رہے ہیں کہ خوشخبری ہو صبر کرنے والوں کے لیے، اور وہ صبر کرنے والے کوئی بعد کے مرحلے میں صبر کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ پہلے مرحلے میں صبر کرنے والے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کہ یہ دنیا اور یہ آزمائشیں عارضی اور فانی ہیں، اور رہی بات ہماری تو ہم ہیں ہی اللہ کے لیے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس بات کے کہنے کی وجہ سے اللہ انہیں ایسا صبر عطا فرماتے ہیں جس میں کوئی شکوے کا لفظ نہیں ہوتا، اور یہ صابرین کی جماعت ہی وہ جماعت ہے جس پر اللہ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہی ہدایت پر ہیں، اور صابرین کی جماعت بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگی، اور اسی جماعت میں شمولیت کی حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی اللہ سے امید کی تھی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ''(الصافات:102)

دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں بغیر کسی آزمائش کے صابرین کا اجر عطا فرمائے، آمین بجاہ سید الأولین والآخرین، صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

علمی انحطاط اور شوقِ اجتہاد

عکاشہ عثمانی
متعلم درجہ سادسہ، جامعہ

تمہید

کچھ حضرات کو مجلس میں بیٹھے مذاہبِ فقہیہ کے درمیان ترجیح دیتے دیکھا، منظر یہ تھا کہ ایک صاحب نے کہا: ''امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ہے، مگر امام شافعیؒ یوں فرماتے ہیں اور انہی کی بات دل کو لگتی ہے۔'' اب کیوں دل کو لگتی ہے؟ اور کیسے لگتی ہے؟ اس سے قطع نظر بندہ تو اس بات پر حیران تھا کہ یہ کون سی نئی دلیل ہے ترجیح کی کہ ''دل کو لگتی ہے''؟ پھر ایک صاحب کہتے ہیں کہ: ''یوں ہونا چاہیے۔'' پھر ان حضرت کی مجلس شوریٰ اپنی رائے پیش کرتی ہے، کچھ حکم بنے ان اقوال میں ترجیح کی خدمت سرانجام دے رہے ہوتے ہیں، جبکہ اگر ''ترجیح'' سے فعلِ معروف کی گردان سنانے کو کہا جائے تو چار غلطیاں کریں، اس پر ظلم یہ کہ کچھ تو قرآن مجید اور احادیث کو لے کر مسائل فقہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ جیسے فقہ قرآن وسنت سے ماخوذ نہیں، مخالفِ قرآن وسنت ہے۔ دکھ اس پہ ہے کہ انھوں نے مسائل کو سمجھا ہوتا ہے نہ قرآن وحدیث کو، بلکہ فقہ اسلامی کو لہو ولعب بنا کر جس کے دل میں جو آیا کہہ ڈالا، فقہاء پر طعن کرنا تھا کر ڈالا، علماء پر الزام دھرنا تھا دھر ڈالا۔ خیال ہوا اور کچھ نہیں تو دو چار الفاظ ہی لکھ دیے جائیں، شاید یہ تحریر ان کی آنکھوں تک پہنچے، ان کے فہم کا دروازہ کھٹکھٹائے اور ان کے دل میں اتر جائے۔ کچھ باتیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے بڑوں سے سنیں اور کتابوں میں پڑھیں عرض کر دیں، بس ان اسباب کو بیان کیا گیا ہے جن کی وجہ سے یہ بیماری لگتی ہے اور پھر اس کے علاج کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے، واللہ الموفق.

وہ اجتہاد کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں؟

کہتے ہیں کہ: ''چاروں مذاہب برحق ہیں، ہر ایک کا قول اللہ کے ہاں ماجور (باعث ثواب) ہے، صحیح ہوا تو دو اجر ورنہ ایک تو ہے ہی [1]، تو بس ہمیں کیوں روکتے ہو؟''

اب یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ دعویٰ یہ ہے کہ: ''ہمیں کیوں روکتے ہو؟'' اور دلیل یہ ہے کہ: ''ہر ایک کا قول اللہ کے ہاں ماجور ہے۔'' جبکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اجر مجتہدین کے لیے خاص ہے نہ کہ عام لوگوں کے لیے، لیکن یہ بات بول کر حقیقتاً یہ دعویٰ کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم میں اور ائمہ مجتہدین میں فرق ہی کیا ہے؟ اور کبھی صراحتاً کہہ بھی دیتے ہیں: ''هم رجال ونحن رجال''

اور جب انہیں ان ائمہ کی عبادت کا کچھ حال سنا دیا جائے تو ان کی عقل اسے قبول کرنے سے قاصر ہوتی ہے، کہتے ہیں یہ تو ممکن ہی نہیں، اب خود سوچیے کہ جس بات کو ان کی عقل قبول کرنے سے عاجز ہے، وہ حضرات اُسے بالفعل انجام دے چکے ہیں، جہاں وہ بالفعل پہنچے ہیں وہاں یہ بالقوہ پہنچنے کے بھی منکر ہیں:

من يهتدي في الفعل ما لاتهتدي
في القول حتى يفعل الشعراء

پھر اگر ان حضرات کے علم کے احوال سنائے جائیں تو ان کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، چہرے پر تعجب کے آثار ہوتے ہیں، اور ہونے بھی چاہئیں۔ لاکھوں احادیث کا حفظ، پھر اسانید اور ہر راوی کے حالات مستحضر، رات میں کتاب عاریۃً لیتے ہیں تو صبح حافظے میں محفوظ کر کے واپس لوٹا دیتے ہیں، اپنے شیخ کے کہنے پر حفظِ قرآن کے لیے نکلے ہیں اور ایک ہفتے بعد امر کی تکمیل کیے واپس حاضر ہیں، ایک بار سن لیں تو بھولتے نہیں، سوا حادیث مجلس میں ان کے سامنے غلط و بے ترتیب اسناد کے ساتھ پڑھی جائیں تو سو کی سو ترتیب وار غلط اسانید پر مشتمل روایات بھی سناتے ہیں اور پھر تصحیح بھی کرتے ہیں۔ حافظے کے ایسے حیرت ناک واقعات سے ان کی سوانح بھری ہوئی ہیں، اور اگر یہی نقل کرتے جائیں تو صفحات کے صفحات بھر جائیں گے اور جو کہنا ہے وہ رہ جائے گا۔ اس پر مستزاد محنت ایسی کہ پوری پوری رات جاگنا، ساری توجہ ان ہی مسائل پر ہونا، اوڑھنا بچھونا یہی علم، ساری زندگی اسی میں کھپا دینا، پھر خیر القرون کا زمانہ جس کی بہتری کی گواہی ایسی زبان مبارک سے ہے کہ جھوٹ کی نسبت ان کی طرف (معاذ اللہ) قبول نہیں کی جا سکتی، پھر اجتہاد کی شرائط اتم طریقے پر ان میں جمع اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا انتخاب ایسا کہ ان کی سوانح پڑھنے والا ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ یہ تو اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے تھے، یعنی مختصراً ''اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ''[2] کا مظہر تھے، اور آخر میں ایسی مقبولیت کہ ساری امت انہی پر جمع تھی، جبکہ امت کا گمراہی پر جمع ہونا ناممکن ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ''إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ''[3]، اور ایسی کتنی ہی صفات ہیں کہ طوالت کے خوف سے پہلوتہی کرنی پڑ رہی ہے اور نہ ہی ان کا استقصاء مقصود ہے، مقصود تو برابری کا دعویٰ کرنے والوں کو آئینہ دکھانا ہے۔

اب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے آپ کو ان تمام اوصاف سے متصف سمجھتے ہیں تو ان جیسا

ہونے کا دعویٰ ضرور کریں، بے شک اجتہاد کے لیے اس کی شرائط کا ہونا ضروری ہے، نہ کہ ان جیسا ہونا، مگر چوں کہ دعویٰ ان جیسا ہونے کا ہوتا ہے، اس لیے جواب بمطابق دعویٰ کے عرض کر دیا۔

اگر آیت یا حدیث، فقہ کے خلاف ملے؟

کہتے ہیں: ''اگر ہمیں مجتہدین کے حکم کے خلاف قرآن مجید کا صریح حکم مل جائے تب بھی تقلید کریں گے؟ یا احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس کے صریح متعارض ہوں تب بھی؟''

ایسا سوال انسان کو خوفزدہ کر دیتا ہے، اور ڈرنا بھی چاہیے:

اگر میں جیتا تو تم ہو میرے
اگر میں ہارا تو میں تمہارا

عرض ہے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ نص کے مخالف ہے؟ یعنی آپ خود کو اس بات کا اہل سمجھتے ہیں کہ آپ بتلائیں کونسا حکم نص کے مخالف ہے اور کونسا موافق؟ جبکہ حال یہ ہے کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ فقہاء بیوی کے لیے وصیت کے قائل نہیں اور آیت ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ'' سامنے آجائے تو مخالفِ قرآن ہونے کا فتویٰ صادر کرنے میں دیر نہ لگائیں، اور آیت ''وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ'' میں قید ''الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ'' دیکھ کر رضاعی بہو کو حلال قرار دے دیں، اور حرمت کو فقہاء کی بنائی ہوئی چیز قرار دے دیں۔ آیت ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا'' کو پڑھ کر باوضو کے لیے بھی نماز کے کھڑے ہوتے وقت وضو کو فرض قرار دے دیں اور کہیں کہ علماء فقہاء کو اس کا کیا پتہ؟ آیت ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' پڑھیں تو غنی آدمی کو اختیار دے دیں کہ چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ آیت ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا'' پڑھ کر منکر نبوت کی نجات کا پروانہ جاری کر دیں۔ آیت ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ'' پڑھ کر کہیں کہ اگر اللہ کی ذات پر یقین آ گیا ہو تو اب عبادت کی چنداں ضرورت نہیں۔ جب بغیر علم کے اجتہاد ہوگا تو یہ سب ممکن ہے، اور یہ کوئی فرضی باتیں نہیں، بلکہ ان میں سے کئی نام نہاد اجتہادات تو ایسے ہیں جو کیے جا چکے ہیں۔ الغرض ایسی ایسی باتیں سامنے آئیں گی کہ اہل علم حیران رہ جائیں گے کہ ایسے بھی اجتہاد ہوتا ہے؟ اور پھر انجام کار کا سوچ کر رد دیں گے کہ یہی تو سارا دین ڈبونے کا پیش خیمہ ہے۔

یہاں یہ بات مختصراً عرض ہے کہ کسی بھی نص (قرآن وحدیث) کے صرف ظاہری ترجمے سے حکم ثابت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے نئے نئے عصری علوم کے طلبہ یا عام لوگ جب دین کی طرف آتے ہیں تو حدیث پڑھتے ہیں: ''رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ...الخ''(4) اور فوراً اجتہاد کا کام شروع کر دیتے ہیں، بس رفع الیدین شروع ہو جاتا ہے اور علماء کے بارے میں تأثر یہ ہوتا

ہے کہ انہیں کیا پتہ؟ ان نئے مجتہدین کا بھی یہی حال ہے کہ بس ترجمہ معلوم ہوا اور حکم لگا دیا، گویا حکم کا استنباط اور نص کے درمیان صرف ترجمہ کی سیڑھی ہے، جس نے یہ عبور کر لی وہ مجتہد ہوا، اس اعتبار سے سب عرب اور عربی دان بھی مجتہد ہوئے۔ اگر اتنا ہی آسان تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر عالم مجتہد بن کر فتویٰ نہیں دیتا؟

اس اشکال کے صحیح جواب کے لیے تو علمِ اصول فقہ ہے، مگر مختصراً عرض ہے کہ حکم کا استنباط ایسے نہیں ہوتا جیسے انہوں نے سمجھا ہے:

ستم سکھلائیں گے رسم وفا ایسے نہیں ہوتا صنم دکھلائیں گے راہِ خدا ایسے نہیں ہوتا

نص سے حکم ثابت کرنے کے لیے شرائط ہیں کہ نص منسوخ نہ ہو، جیسے آیت ''وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ...''، اب ترجمہ معلوم ہونے کے بعد بھی اس سے حکم ثابت نہ ہوگا، بلکہ اس کے لیے علمِ ناسخ و منسوخ کی مہارت ضروری ہے، اس نص کے معارض میں کوئی دوسری نص مساوی یا راجح نہ ہو جیسے رفع الیدین کے مقابل میں ترکِ رفع الیدین والی احادیث، اس کے لیے ذخیرہ احادیث کا مستحضر ہونا ضروری ہے، جن اقوال پر اجماع ہے ان کا علم ہونا ضروری ہے، وغیرہ وغیرہ۔

پھر یہ بھی معلوم ہو کہ کس درجہ کی دلیل سے کس قسم کا حکم ثابت ہوتا ہے؟ مثال کے طور پر قطعی الثبوت و قطعی الدلالت سے فرضیت یا حرمت ثابت ہوگی، ظنی الثبوت و قطعی الدلالت یا اس کے عکس سے وجوب یا کراہت تحریمی ثابت ہوگی اور ظنی الثبوت و ظنی الدلالت سے مستحب یا سنت وغیرہ کا ثبوت ہوگا، جیسے حدیث ظنی الثبوت و قطعی الدلالت ''إِنَّ اللهَ زَادَكُمْ صَلَاةً، وَهِيَ الْوِتْرُ''[5] سے وتر کے وجوب کا ثبوت، وغیرہ۔

اس کا بھی علم ہو کہ حکم کا اثبات کس کے لیے کیا جا رہا ہے؟، یعنی مکلف کون ہے؟ جیسے: نماز کا حکم ثابت تو ہو گیا، مگر بچے اور مجنون کے حق میں اس کا ثبوت نہ ہوگا، وغیرہ۔

اسی طرح وہ الفاظ جو نص میں مذکور ہیں ان کا تعلق کس قسم سے ہے؟ اس کا علم ہونا بھی ضروری ہے، جیسے: خاص، عام، مشترک، مؤول، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، خفی، مشکل، وغیرہ، اور کلام کس قسم سے ہے؟ وہ بھی معلوم ہو، یعنی عبارۃ النص ہے یا اشارۃ النص یا دلالۃ النص یا پھر اقتضاء النص، اس لیے کہ ہر ایک کے اعتبار سے احکام میں تبدیلی آتی ہے۔

اس کی پوری تفصیل تو علمِ اصولِ فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں استقصاء مقصود بھی نہ تھا، بلکہ صرف اس بات کو ثابت کرنا تھا کہ حکم کے لیے صرف عربی یا ترجمہ جاننا کافی نہیں ہوتا، اسی لیے جب بھی کوئی نص مخالفِ قرآن یا حدیث لگے تو اپنا اجتہاد کرنے کے بجائے علماء سے رجوع کیا جائے۔[6]

مذاہبِ برحق میں سے جسے چاہیں اختیار کریں!

کہتے ہیں: ''تسلیم کیا کہ اجتہاد ہمارا کام نہیں، تو چلو انہی چار مذاہب میں۔ جنہیں تم برحق سمجھتے ہو۔ جس قول کو ہم چاہیں اختیار کریں، اس میں تو کوئی قباحت نہیں؟''

عرض ہے کہ علماء کی اصطلاح میں اسے ''ترجیح بین المذاہب'' کہا جاتا ہے، فی نفسہ یہ کوئی بری چیز نہیں، اسی لیے مجتہدین حضرات یہ ترجیحات دیتے ہیں، مگر غیر مجتہدین کے لیے یہ چیز بری ہے، غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ ''قبیح لغیرہ'' ہے، یعنی اس کا برا ہونا خارجی وجہ سے ہے، اس کی وضاحت یوں ہے کہ آپ کا ائمہ کے اقوال کے درمیان کوئی بھی قول چننا علم کی بنیاد پر تو ہے نہیں، چوں کہ اس کے لیے بھی اجتہاد کی شرائط کا ہونا ضروری ہے، اب اجتہاد کی شرائط تو دور کی بات ہے، اگر کوئی شخص آپ سے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کا ترجمہ کرائے تو آپ کا کہنا ہوگا: ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔'' اور پھر وہ یہ پوچھ لے کہ یہ ''تمام'' کا لفظ کس عربی لفظ سے ماخوذ ہے؟ تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے، آپ سے اسی آیت میں ''رب'' کے لفظ کا صیغہ پوچھ لیا جائے تو آپ پوچھیں گے کہ ''صیغہ'' کیا بلا ہے؟ سوال کیا جائے کہ ''جو'' کا ترجمہ کہاں سے کر رہے ہیں؟ ''بڑا'' اور ''نہایت'' کا لفظ کہاں سے لائے ہیں؟ تو آپ کہیں گے: بولنے سے خاموشی بہتر ہے، جبکہ یہ سوالات علم نحو وصرف اور لغت کے ہیں، جو درس نظامی کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں، اور اگر ٹھیٹھ علمی وفنی سوالات ہوں تو پھر کیا حال ہوگا؟ پھر باقی علوم یعنی تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرجال، معانی، بیان، بدیع، قراءت وغیرہ جو علمِ دین کی صحیح سمجھ کے لیے لازمی علوم ہیں، آپ خود غور کریں کہ کتنے علوم سے آپ بالکل ہی ناآشنا ہیں؟ اور کتنوں پر آپ نے آج تک کوئی کتاب بھی نہیں دیکھی؟ اور کتنے علوم سے آشنائی ہے بھی تو کتنی مہارت ہے؟

غرض یہ کہ آپ کی ترجیح علم کی بنیاد پر نہ ہوگی، اور جب بنیاد علم نہیں تو آپ اسی قول کو چنیں گے جو آپ کے دل کو بھائے اور پسند آئے، اسی کو آج کل کہتے ہیں: ''یہ قول دل کو زیادہ لگ رہا ہے۔'' اگرچہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہو، اب آپ خود غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس انتخاب کی بنیاد سوائے آپ کے نفس کو اچھا لگنے کے اور کیا ہے؟ یعنی اصل میں نفس کی اتباع ہوئی، اور اس پر تو شدید وعید وارد ہوئی ہے: ''اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا''[7] یہ ہے وہ ''غیر'' (یعنی ترجیح بین المذاہب کے ساتھ اتباع نفس کا ہونا جو اس کا غیر ہے) جس کی تفصیل کی جارہی تھی، خلاصہ یہ کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے ''ترجیح بین المذاہب'' میں ''اتباعِ نفس'' پایا جاتا ہے، اس لیے یہ ممنوع ٹھہرا۔ اسی لیے اگر علم ہو اور شرائط اجتہاد موجود ہوں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں، جیسے ہمارے کئی علماء نے ترجیحات دی ہیں اور اب بھی دیتے ہیں۔

اجتہاد کی شرائط

1۔قرآن مجید کا علم ہو (معانی کے ساتھ لغت کے اعتبار سے اور شرعی اعتبار سے)، اور ان تمام اصولوں کا بھی جو اصولِ فقہ میں مذکور ہیں۔

2۔حدیث کا علم بھی اپنے اصولوں کے ساتھ (جو اصولِ حدیث میں یا اصولِ فقہ کے باب السنہ میں مذکور ہیں)۔

3۔قیاس کے طریقوں کا علم ہو (جو اصول کی کتب میں مذکور ہیں)۔

4۔اجماعی مسائل کا علم ہو۔ (8)

کیا اجتہاد کی شرائط، قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ہیں؟

کہتے ہیں: ''کیا یہ شرائط قرآن وحدیث سے ثابت ہیں؟''

اب اس سوال کے پس منظر میں موجود کم عقلی اور کج فہمی سے قطع نظر۔کہ شریعت جن دلائل سے ثابت ہے ان دلائل کے علم کی شرط لگانا شریعت کے استنباط کے لیے بدیہی بات ہے۔''اصولِ فقہ کے وجوہ کی شرط'' (یعنی اصولِ فقہ کے طرق یا اصولوں کی شرط کیوں لگائی گئی ہے؟) کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

جب قرآن میں حکم مذکور ہو اور حدیث اس میں اضافہ کرے تو کیا حدیث سے قرآن مجید پر اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ مثال کے طور پر وضو کی آیت ''فاغسلوا۔۔'' پر حدیث ''إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' سے نیت کا اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟، قرآن مجید میں طواف کی آیت ''وَلْيَطَّوَّفُوْا۔۔'' پر حدیث ''الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ'' سے وضو کا اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ جب قرآن یا حدیث میں لفظِ مشترک استعمال ہو تو کس معنی کو ترجیح دیں گے؟ مثلاً مشہور مسئلہ ہے کہ آیتِ ''قروء'' میں حیض مراد لیں گے یا طہر؟ ''امر'' وجوب کے لیے ہے تو آیا ہر امر سے وجوب ثابت ہوگا یا نہیں؟ نصوص میں ظاہری تعارض کو رفع کیسے کیا جائے گا؟ مثلاً حدیث میں پیشاب کے چھینٹوں سے بھی بچنے کا حکم ہے: ''اسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ'' اور حدیثِ عرنیین میں اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم ہے: ''اشْرَبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَ أَلْبَانِهَا''، اب جمع یا ترجیح کیسے ہوگی؟ حدیث حضرت بریرہؓ میں ان کے شوہر کو آزاد مانا جائے گا: ''وَ زَوْجُهَا حُرٌّ'' کے مطابق یا غلام مانا جائے گا: ''وَ زَوْجُهَا عَبْدٌ'' کے مطابق؟ آیت ''إِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔۔۔'' اور آیت ''لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ۔۔'' وغیرہ میں دفعِ تعارض کیسے ہوگا؟ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟ مثلاً آیت ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ'' میں مطلق

خون کی حرمت ہے اور آیت ''دَمًا مَّسْفُوْحًا'' میں ''بہتا ہوا'' ہونے کی شرط ہے، تو کیا اب خون کی مطلق حرمت ہوگی یا مقید پر محمول کیا جائے گا؟ ''مفہومِ مخالف'' مراد لیا جائے گا یا نہیں؟ احادیث کی کون سی اقسام حجت ہوں گی؟ قیاس اور خبر واحد میں ترجیح کیسے ہوگی؟ کیا آپ ﷺ کا ہر فعل لازمِ عمل ہوگا؟ مثلاً کچھ باتیں ہمارے لیے قابلِ عمل نہیں، آپ ﷺ نے صومِ وصال سے منع فرمایا، صحابہؓ کی جانب سے چپلوں کے اتارنے پر پوچھا کہ تم نے کیوں اتاریں؟ چار سے زائد بیویوں کا حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونا وغیرہ، اب اس کا کیا قاعدہ ہوگا؟ فرض، واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام میں فرق کیسے کیا جائے گا؟ ان سب سوالوں کا جواب اصولِ فقہ میں ہے، اصولِ فقہ ہی وہ علم ہے جو ان مشکلات سے نکالتا ہے اور منزل تک پہنچاتا ہے، یہی وجہ ہے اصول فقہ کی وجوہ کی شرط کی وضاحت کے لیے کچھ اہم اہم سوالات درج کر دیے گئے، تاکہ اس کی ضرورت سمجھ میں آجائے، ورنہ فہرست تو بہت طویل ہے، ان مباحث کو انہی کتب میں دیکھ لیا جائے تو ان شاء اللہ بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

بالفرض وہ مجتہد ہو گئے!

بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ ان میں شرائطِ اجتہاد جمع ہو گئی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اِن کے قول کو ان ''متقدمین مجتہدین'' کا قول چھوڑ کر اختیار کیا جائے؟

ائمہ مجتہدین میں سے بیشتر حضرات اس زمانے کے ہیں جس کے بارے میں سرورِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے: ''خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ... الخ''[9] پھر ان کے اساتذہ یا اساتذہ کے اساتذہ کے بارے میں بعد از خدا بزرگ ﷺ خود فرمائیں: ''فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ، وَلاَ نَصِيْفَهُ''[10]، ذہانت کا دعویٰ ہو تو کوئی لاکھوں احادیث کا حافظ لائیے، پھر امت ان پر جمع ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ''إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ''[11]، الغرض کون سی وجہ ہے کہ نئے مجتہدین کے قول کو لیا جائے اور متقدمین کے قول کو ترک کر دیا جائے؟ اگر ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کا قول قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور باقی حضرات کا مخالف، تو عرض ہے کہ وہ مسئلہ لے کر علماء کے پاس جائیں اور پوچھیں، ان شاء اللہ یہ شبہ بھی دور ہو جائے گا۔

پوچھ لیتے کبھی دھنک سے کہ یہ سات رنگوں کی ساحری کیا ہے؟

یہ بات اس وثوق سے کہنے کی وجہ یہ نہیں کہ فقہ کا ہر ایک مسئلہ منصوص ہے، بلکہ اس کی وجہ ہزاروں

لاکھوں علماء کا ان مسائل پر اعتماد، ان پر دلائل کے انبار، اور صدیوں سے ان پر متوارث عمل ہے۔

مسائلِ فقہ پر وثوق کی وجہ

آج ان فقہی مسائل پر تیرہ صدیوں سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور ان صدیوں میں ہزاروں لاکھوں علماء نے انہیں پڑھا پڑھایا ہے، ان کی شرح کی ہے، حواشی لکھے ہیں، تفریعات کی ہیں، اور طرح طرح کی خدمات انجام دی ہیں، ان علماء کی تعداد کا اندازہ بھی مشکل ہے، کیا انہیں معلوم نہ ہوا کہ یہ مسائل مخالفِ قرآن ہیں؟ اور یہ علماء کوئی عام لوگ نہ تھے، تاریخ کے اوراق پلٹتے جائیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ کن صلاحیتوں کے حامل لوگ تھے۔ اب یہ بات کیسے مانی جائے کہ تقریباً تیرہ صدیوں بعد آج یہ لوگ ہیں جنہوں نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نت نئے مسائل حل کرنے کی بجائے یہ پرانے مسائل میں نت نئی مشکلات پیدا کریں گے۔

حواشی وحوالہ جات

1-أخرجه أبو داود (3574)، وابن ماجه (2314)، وأحمد (17809) باختلاف يسير.

2- ''اللہ اپنی ہی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔'' (بیان القرآن)

3-أخرجه الترمذي (2167).

4-أخرجه أبو داود (728)، والبغوي في "شرح السنة" (564) كلاهما بلفظه، والطحاوي في "شرح معاني الآثار" (1170) بلفظ مقارب، وأصله في مسلم (401) بنحوه مطولًا.

5-أخرجهُ أحمد (23851) واللفظ له، والطحاوي في "مشكل الآثار" (4492)، والطبراني في "الكبير" (2/ 279) (2168) بنحوه.

6- توضیح (ص:29-31) طبعة ''بشری''، یہ بحث مذکور ہے۔

7- ''(اے پیغمبر!) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے؟ سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں؟'' (بیان القرآن)

8- شرائط اسی طریق پر اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں۔ (توضیح، نور الانوار، وغیرہ)۔

9-صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب لايشهد على شهادة جور إذا أُشهد، 3/ 171، رقم الحديث: 2651، ط:دار طوق النجاة/ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضل الصحابةؓ: 4/ 1964، رقم الحديث:2535، ط:دار إحياء التراث العربي.

10- متفق عليه، صحيح البخاري: (3673)

11- رواه ابن ماجة، والطبراني، وغيره.

خواتین کا حقِ وراثت، اسلام کی امتیازی خصوصیات اور معاشرتی کوتاہیاں

مولوی معاذ الحق
متعلم تخصص فقہِ اسلامی، جامعہ

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً'' (النساء:1)

''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں۔''

مشہور مفسر مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت سے تم کو پیدا کیا، پھر پیدا کرنے اور موجود کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی تھیں، ان میں سے ایک خاص صورت کو اختیار فرمایا کہ سب انسانوں کو ایک ہی انسان حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کر کے سب کو اُخوت اور برادری کے ایک مضبوط رشتہ میں باندھ دیا، اب خوفِ آخرت کے علاوہ اس رشتۂ اخوت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ باہمی ہمدردی اور خیر خواہی کے حقوق پورے ادا کیے جائیں۔

ان حقوق میں سے ایک حقِ میراث ہے۔ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے حقوقِ واجبہ ادا کر کے باقی ماندہ ترکہ ورثاء کو دیا جائے گا، تاکہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرسکیں اور مورث کے بعد کسی کے محتاج نہ رہیں۔

عورت کو حقِ میراث دینا بھی اسلامی معاشرے کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

عورت کا حقِ میراث اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور مردوں پر لازم کیا گیا کہ وہ اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ برتیں، ورنہ عنداللہ مجرم ہوں گے، چنانچہ ربِ کریم کا ارشاد ہے:

''لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا '' (سورۃ النساء:7)

ترجمہ: ''مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے، تھوڑا ہو یا بہت حصہ مقرر کیا ہوا۔''

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک شانِ نزول نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوس بن ثابتؓ (یا اوس بن مالکؓ یا ثابت بن قیسؓ) کا انتقال ہوا، ورثاء میں ان کی بیوی، دو بیٹیاں اور ایک نابالغ بیٹا رہ گئے تو متوفی شخص کے چچازاد آئے اور انہوں نے ترکہ کا سارا مال لے لیا اور ان کو کچھ نہیں دیا۔ بیوہ نے ان سے کہا کہ آپ میں سے دو آدمی ان بچیوں سے نکاح کر لیں، تاکہ ان کی کفالت ہو جائے تو ان لوگوں نے انکار کر دیا، وہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، کیونکہ ابھی تک اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی تھی، اس کے بعد ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ'' پورا رکوع نازل ہوا، جس میں تقسیمِ میراث کے بارے میں تفصیل آئی۔ (روح المعانی 2/326۔ سورۃ النساء:7-10)

حقِ میراث کتنا اہم اور ضروری ہے، جس سے عورت کو محروم رکھنا بہت خطرناک اور بھیانک بات ہے، اس ضمن میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1۔ ''عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: جَاءَتِ امْرَاَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ، قُتِلَ اَبُوْهُمَا مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ شَهِيْدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَا اَخَذَ مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ، قَالَ: '' يَقْضِي اللهُ فِيْ ذٰلِكَ''، فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى عَمِّهِمَا، فَقَالَ: '' اَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَاَعْطِ اُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ .''

(سنن الترمذی، ج:2، حدیث:2092)

ترجمہ: ''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی بیوی اپنی دو بیٹیوں کو جو سعدؓ سے پیدا ہوئی تھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے باپ آپ کے ساتھ لڑتے ہوئے جنگ اُحد میں شہید ہو گئے ہیں، ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے، اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، اور بغیر مال کے ان کی شادی نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔'' چنانچہ

اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان (لڑکیوں) کے چچا کے پاس یہ حکم بھیجا کہ سعدؓ کی دونوں بیٹیوں کو مال کا دو تہائی حصہ دے دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ، اور جو بچے وہ تمہارا ہے۔''

2۔''وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا، وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا.'' (مشکوۃ المصابیح، حدیث:197)

ترجمہ:''سیدنا ابوثعلبہ الخشنی ؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بے شک اللہ نے فرائض مقرر کیے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو، اس نے حرمات کو حرام قرار دیا ہے، پس ان کے قریب نہ جاؤ اور اللہ نے حدود متعین کی ہیں، پس ان سے تجاوز نہ کرو اور اس نے جانتے بوجھتے کچھ چیزوں سے سکوت فرمایا، پس ان کے متعلق بحث نہ کرو۔''

3۔''عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:'' مَنْ فَرَّ مِنْ مِيْرَاثِ وَارِثِهٖ، قَطَعَ اللهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.'' (سنن ابن ماجہ، باب الحیف فی الوصیۃ، حدیث:2703)

ترجمہ:''انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص اپنے وارث کو میراث دلانے سے بھاگے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے جنت کی میراث نہ دے گا۔''

مفتی تقی محمد عثمانی زید مجدہٗ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ عورتوں کو حق سے محروم کرتے ہیں اور ان کو ان کا حقِ میراث نہیں دیتے، بلکہ ان کے خاندانوں میں حصہ دینے کا رواج ہی نہیں ہے، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح عورتوں کے حصہ کو غصب کرنا اور ان کا حق نہ دینا اپنے مال میں حرام شامل کرنا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ: حقِ میراث میں سے عورتوں کو محروم رکھنا یہ ہندوانہ رواج تھا، حتیٰ کہ 1955ء تک عورت کا حق دینے کا تصور بھی نہیں تھا، البتہ 1955ء میں ہندو کورٹ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ عورتوں کو حقِ میراث دیا جائے گا۔ البتہ اگر ایک خاندان کے افراد مشترکہ طور پر رہ رہے ہوں تو اس صورت میں عورت کو حقِ میراث نہیں دیا جائے گا، گویا کہ انہوں نے اس حق کا پھر بھی صحیح خیال نہیں رکھا۔

مسلمانوں میں اتنا انحطاط آیا ہے کہ آج کے معاشرے میں عوام الناس کے علاوہ جو لوگ بہ ظاہر

دیندار شمار کیے جاتے ہیں، انہوں نے بھی اس حق تلفی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، چنانچہ آج کل اگر کسی خاندان میں کوئی صاحبِ علم تقسیمِ میراث کی بات کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ خاندان میں انتشار و فساد ہوگا، لوگ لڑیں گے، لہٰذا اب ہم اس پر بات نہیں کر سکتے۔ بہت افسوس کی بات ہے شریعتِ مطہرہ کا ایک بہت بڑا حکم مٹ رہا ہے، لہٰذا یہ موضوع ہر موقع پر مصلحت کے ساتھ اُجاگر کرنا چاہیے۔ نیز علاقے کے علماء، سماجی شخصیات اور اعلیٰ حکام سے مشاورت کرنی چاہیے، تاکہ اس حکم کا احیاء کیا جائے، جہیز، شادی بیاہوں اور دیگر فضولیات میں اپنے مال کو صرف کرنے کے بجائے ضروری اور لازمی حقوق ادا کیے جائیں، عوام میں اس بات کا شعور اور دینی بیداری پیدا کرنے کے لیے جمعہ کے خطبات، جنازوں اور دیگر اجتماعات میں اس پر تفصیلی بات ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دینی احکام سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

اکابر کے فیض یافتہ حضرت محمد کلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا نعمان علی خان
جامعہ بیت السلام، کراچی

اور ان کا اندازِ تربیت

حضرت محمد کلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان معدودے چند شخصیات میں ہوتا ہے جنہیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جلیل القدر خلفاء کی طویل اور براہِ راست صحبتِ بابرکت میسر آئی۔ ان میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ (جن سے آپ کو خلافت کا شرف بھی حاصل ہوا) خصوصیت سے شامل ہیں۔ اسی طرح حضرت بابا نجم احسن نگرامی رحمۃ اللہ علیہ جن کا قیام سالہا سال حضرت کے ناظم آباد والے گھر پر رہا اور وہیں ان کی وفات بھی ہوئی، ان کی تربیت کا بھی حضرت کلیم صاحبؒ کی شخصیت پر گہرا اثر تھا۔

تواضع وانکساری کی شان

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص شان ان کی بے مثال تواضع اور انکساری تھی، اور اسی انداز پر وہ اپنے متعلقین کی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس تربیت کا ایک ایمان افروز واقعہ بطورِ شاہد پیشِ خدمت ہے: ایک مرتبہ رمضان المبارک کے بعد میری حضرتؒ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حسبِ معمول حال احوال دریافت فرمایا، تو میں نے عرض کیا: حضرت! رمضان المبارک جیسا گزرنا چاہیے تھا ویسا نہیں گزر سکا۔ حضرتؒ نے یہ سنتے ہی فوراً فرمایا: إنا لله وإنا إليه راجعون.

پھر بطور تربیت ارشاد فرمایا: ''بھائی! آپ تو گویا یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہمارا یہ استحقاق (حق) تھا کہ ہمارا رمضان اچھا گزرتا، لیکن ہمارے اس استحقاق کے برعکس ویسا نہیں گزرا، یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض

ہے۔'' اس کے بعد فرمایا: ''بھائی! جو نیک کام (اس مہینے میں) ہو سکا، اس پر شکر ادا کرو اور اسے اللہ تعالیٰ کی محض عطا سمجھو کہ یا اللہ! ہمارا تو ان اعمال کا بھی کوئی استحقاق نہیں تھا، یہ تو آپ ہی کا فضل ہے کہ آپ نے توفیق عطا فرما دی، آپ کا شکر ہے۔ اور جو کوتاہی یا لغزش ہو گئی، اس پر استغفار کرو۔'' یہ وہ تعلیم ہے جو درحقیقت قرآن کریم میں دی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

''وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ'' (ہود:88)

ترجمہ: ''اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔''

اخلاص پر زور

دینی کاموں میں حضرتؒ اخلاص پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے: ''مقصد حیات رضائے حق ہے، اور رضائے حق تب ہی حاصل ہوگی جب عمل اللہ کے لیے ہوگا اور اس میں اخلاص ہوگا۔''

تقویٰ کی تعریف

حضرت نے کئی مرتبہ بانیِ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان کا یہ زرّیں قول نقل فرمایا: ''حال کے امر کو جاننا تقویٰ ہے، یعنی انسان یہ دیکھے کہ اس وقت میرے رب کا مجھے کیا حکم ہے؟ اور اس کا تقاضا کیا ہے؟! چنانچہ اس کے مطابق عمل کرنا ہی تقویٰ ہے۔'' یہی بات علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مشہور کتاب ''مدارج السالکین'' میں کسی دوسرے عنوان سے درج فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: ''سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ انسان ہر وقت کے (شرعی) تقاضے کے مطابق جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو عمل کرے، چنانچہ جو لوگ دینی و علمی مشاغل اختیار کیے ہوئے ہیں، انہیں اکثر یہ بات پیش آتی ہے کہ عین مطالعے یا کسی دینی خدمت کے وقت کوئی دوسرا ضروری امر پیش آجاتا ہے، مثلاً بچہ بیمار ہو گیا، اہلیہ کی طبیعت خراب ہو گئی یا کوئی مہمان آ گیا۔ بسا اوقات ڈاکٹر کے پاس جانے اور وہاں گھنٹوں انتظار کرنے کی وجہ سے نہ مطالعہ ہو پاتا ہے اور نہ ہی وہ دینی خدمت جاری رہ پاتی ہے، ہم لوگ کم فہمی کی وجہ سے اس مشغولیت کو بوجھ یا وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، حالانکہ بچوں اور اہلیہ کی دیکھ بھال یا مہمان کی خاطر تواضع کرنا ہی اس وقت کا ''شرعی تقاضا'' ہے، جس پر عمل کرنا اس (نفلی) دینی خدمت سے افضل ہوتا ہے جس میں انسان مصروف ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنی اہلیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بدر کے مجاہدین کے اجر و ثواب اور مالِ غنیمت میں شریک قرار دیا۔

رجوع الی اللہ کی تعلیم

حضرتؒ کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر کام میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ جب بھی کوئی ایسی پریشانی ان کے سامنے رکھی جاتی جس کا دنیاوی اسباب میں کوئی حل نظر نہ آتا تو حضرت فرماتے: ''بھائی! جو لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا وہ ہو کر رہتا ہے، پریشانی سے کیا فائدہ؟ اب بس دعا کا سہارا لو اور کہو کہ یا اللہ! ہم نے اپنی ساری تدبیریں کر لیں، لیکن ہمیں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا، اب آپ ہی کوئی صورت پیدا فرما دیں۔''

ایک مرتبہ انہوں نے چلتے پھرتے اللہ سے مانگنے کی عادت پر اُبھارتے ہوئے فرمایا: دیکھو! اگر کبھی تم گاڑی میں ہو، فیملی بھی ساتھ ہو، ہنگامہ بپا ہو اور شدید ٹریفک میں گاڑی پھنس جائے تو فوراً اللہ سے دعا کرو کہ یا اللہ! ٹریفک کا ہجوم ہے، فیملی ساتھ ہے، یا اللہ! آپ کوئی راستہ نکال دیجیے۔ بس یہ دعا کرتے رہا کرو۔ حضرتؒ ہر حال میں چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کی عادت ڈالنے کی بہت زیادہ ترغیب دیا کرتے تھے۔

کبر سے دور رہنے کی تلقین

کئی ایسے باطنی مسائل (جن کی تفصیلات اب ذہن میں محفوظ نہیں) جب میں نے حضرتؒ کے سامنے ذکر کیے، تو انہوں نے فرمایا: ان سب کی اصل وجہ کبر (تکبر) ہے۔ حضرتؒ کا مربیانہ نکتہ یہ تھا کہ آدمی کے دل میں یہ وساوس اور خیالات پیدا ہی اس وقت ہوتے ہیں جب اس کے اندر کبر اَنگڑائی لیتا ہے اور وہ نادانستگی میں خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ یہ حضرتؒ کی دور اندیشی تھی جو سطحی علامات کے بجائے فوراً اصل مرض بھانپ لیتی تھی کہ ان تمام اُلجھنوں کی جڑ کبر ہے، چنانچہ اس باطنی مرض کو دور کرنے کی فکر پیدا فرماتے۔ سید التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حبِ جاہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''آخر ما ينزع من قلوب الصالحين حب الرئاسة.''

''نیک لوگوں کے دلوں سے سب سے آخر میں جو برائی نکلتی ہے، وہ سرداری کی محبت ہے۔''

بسا اوقات نیک اور صالح لوگوں میں یہ مخفی کبر پیدا ہو جاتا ہے کہ کسی کو اپنے اچھے خطیب ہونے کا پندار (غرور) ہو جاتا ہے، کوئی سمجھتا ہے کہ میرے جیسا مقتدر مدرس کوئی نہیں، کسی کو یہ زعم ہوتا ہے کہ مجھ جیسا مصلحِ قوم کوئی نہیں، تو کوئی اپنی عبادت و ریاضت کے خمار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ غرض آدمی اپنی ہی بنائی ہوئی دنیا میں مگن رہتا ہے، اگرچہ وہ زبانِ قال (لفظوں) سے اس کا اظہار نہ کرے، مگر اس کا زبانِ حال (طرزِ

عمل) پکار پکار کر کہہ رہا ہوتا ہے کہ وہ اس مہلک باطنی مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔

گناہوں سے حفاظت میں صحبتِ اہل اللہ کا اثر

آج کل لوگوں کا روحانی امراض (مثلاً بدنظری، کبر، غصہ اور بدگمانی وغیرہ) میں جس قدر ابتلا ہے، وہ کسی پر ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ان روحانی امراض سے بچاؤ کے لیے جہاں شریعت کا علم ضروری ہے، وہیں صحبتِ اہل اللہ بھی اکسیر کا درجہ رکھتی ہے، چنانچہ جب میں نے اپنے اسی طرح کے کچھ روحانی امراض کا حضرت کے سامنے ذکر کیا، تو حضرت نے قدرے سخت لہجے میں فرمایا: ''آپ یہاں کتنے عرصے بعد آئے ہیں؟'' (بندے کو کئی مہینوں بعد حاضری کی توفیق ہوئی تھی)۔ حضرت نے اسی مجلس میں دریافت فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ'' (سورۃ التوبۃ:119) کا کیا مطلب ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: ''اس کا مطلب ہے کہ سچوں کے ساتھ رہ پڑو۔''

نیز فرمایا: ''گناہوں سے بچنے کے لیے ہمت سے کام لو۔ نگاہ کے غلط استعمال کا خیال آ رہا ہے ہمت سے کام لے کر اسے دبا دو۔ غیبت کا دل چاہ رہا ہے ہمت کر کے زبان کو روک لو اور نیک صحبت اختیار کرو۔''

ذکر کی تعلیم اور اس کا اثر

حضرت نے مجالس میں بارہا ذکر کیا کہ حضرت تھانویؒ اپنے آخری زمانے میں لوگوں سے قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے: ''لوگو! جو میں کہہ رہا ہوں غور سے سنو اور اس پر عمل کر لو۔ روزانہ پندرہ منٹ اسمِ ذات ''اللہ اللہ'' کا ذکر کر لیا کرو۔'' پھر حضرت کلیم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) فرماتے تھے: ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جائے گا۔'' اور فرمایا: ''کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ'' (البقرۃ:152) تو جب اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کریں گے تو اپنی شایانِ شان یاد کریں گے یا ہماری شان کے مطابق؟ ظاہر سی بات ہے کہ اپنی شان کے مطابق یاد کریں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ: ''اس ذکر کے دو فائدے ہوں گے: ایک تو یہ کہ اپنے عیوب کا پتہ چلے گا، دوسرا ان عیوب کے ازالے کی فکر پیدا ہو جائے گی۔'' پھر حضرت کلیم صاحبؒ نے (نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا: ''گناہوں سے بچو، شکر ادا کرتے رہو اور یہ ذکر جاری رکھو، صبح کا وقت بہتر ہے، ورنہ جو وقت میسر ہو۔ اگر کوئی کام بیچ میں آ جائے تو وہ کر لو، باوضو ہو یا بے وضو، جس حال میں بھی ہو، اس میں ناغہ نہ ہو۔''

اسی طرح فرماتے تھے: ''جو تسبیحات (معمول میں) ہیں، ان کا اہتمام کرتے رہو، اگر کبھی معمول پورا نہ ہو اور کم ہو جائے تو کوئی بات نہیں، بس لگے رہو، لگے رہو اور ثمرات کا مطلق خیال نہ کرو۔ پھر یہ شعر پڑھا:

محبت میں ترقی سعی لا حاصل سے ہوتی ہے
خبر اس بھید کی لیکن بڑی مشکل سے ہوتی ہے

وصال کے بعد رُخِ انور کا سکون

اتوار کا دن تھا، اور معمول کے مطابق بعد نمازِ مغرب حضرتؒ کی مجلس ہونی تھی۔ فون پر حضرتؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملی، دارالعلوم میں مغرب کے بعد حضرت کا آخری دیدار نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرے پر وہی ہلکا سا تبسم پھیلا دیا تھا، جو آپ بسا اوقات دنیا میں کسی بات پر فرمایا کرتے تھے۔ چہرہ پر سکون تھا جیسے طویل بیماری سے صحت یاب ہونے والے کسی شخص کے چہرے پر ہوتا ہے، یہ وہ پرنور منظر تھا جو وہاں موجود ہر آنکھ نے دیکھا، گویا وہ خوشخبری جو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے اپنے نیک بندوں کو موت کے وقت سناتا ہے، حضرت نے سن لی تھی اور اسی کی مسرت چہرے پر مسکراہٹ بن کر چھا گئی تھی۔ وہ خوشخبری یہ ہے:

''اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ'' (فصلت:30-32)

''جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر (اس پر) مستقیم رہے، ان پر فرشتے اُتریں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لیے اس جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لیے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔ یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔''

بالآخر 28 ذوالحجہ 47 ہجری بروز اتوار، مطابق 14 جون 2026ء وقتِ دوپہر، رشد و ہدایت کا یہ مہتاب، شہرت سے دور گوشہ نشینی کی زندگی گزار کر اُفقِ دنیا سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات نصیب فرمائے اور ان کے فیوض و برکات کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے، آمین یارب العالمین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اُلٹے جوتے کو سیدھا کرنا

ادارہ

سوال

❶-اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی جوتا اُلٹا پڑا ہوا ہو تو اس کو سیدھا کر دیا جاتا ہے اور وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی بے ادبی لازم آتی ہے، کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟

❷-اکثر اردو اخبارات کافی تعداد میں نیچے پڑے ہوتے ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے نام بھی لکھے ہوئے ہوتے ہیں، بعض اوقات جگہ جگہ کافی زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب

❶-صورتِ مسئولہ میں اُلٹے جوتے کو سیدھا کرنا ادب اور سلیم الفطرت ہونے کا تقاضا ہے، اس لیے اُسے سیدھا کر دیا جاتا ہے، مگر یہ کہنا کہ اُس سے اللہ تعالیٰ کی بے ادبی لازم آتی ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔

❷-جن اختیارات میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس نام ہوں، ایسے اخبارات کا حکم یہ ہے کہ انہیں کسی محفوظ مقام پر دفن کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ان اخبارات سے مقدس ناموں کو مٹا دیا جائے یا مقدس ناموں کو ہٹا کر باقی کو جلا دیا جائے یا سمندر میں بہا دیا جائے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

''الكتب التي لا ينتفع بها يمحىٰ عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي بأن تلقى في ماء جار كما هي أو تدفن وهو أحسن كما في الأنبياء وفي الشامية : وكذا جميع الكتب إذا بليت وخرجت عن الانتفاع بها . ..... وإن شاء غسله بالماء أو وضعه في موضع طاهر لاتصل إليه يد محدث ولاغبار ولا قذر تعظيما لكلام الله عزوجلّ.'' (كتاب الحظر والإباحة، ج:6، ص:422)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:156-1436 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

مجرباتِ مشائخِ نقشبند

مفتی احسان الحق صاحب۔ صفحات: 375۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ الحسنیٰ۔ ملنے کا پتا: 68 / ایل ایس، کوئٹہ ٹاؤن، 3 / اے، نزد انصاف ہسپتال، گلزار ہجری، اسکیم 33، کراچی۔ فون نمبر: 0312-1102045

زیرِ تبصرہ کتاب کے مؤلف صاحبِ مطالعہ ہیں، خصوصاً تصوف کا موضوع ان کا پسندیدہ موضوع ہے، اس موضوع پر اکابر اور مشائخ کی سوانح مطالعہ میں آتی رہتی ہیں، بزرگوں کے جو وظائف و اعمال کسی کو بتائے گئے یا کتابوں میں درج کیے گئے، مؤلف موصوف نے انہیں اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

ہمارے بزرگوں کے اذواق اور مزاج ان عملیات کے بارے میں مختلف رہے ہیں، بعض نے ان کے ساتھ کچھ شرائط درج کی ہیں، بعض نے خدمتِ خلق کے جذبہ سے ان وظائف اور تعویذات کے ذریعے مختلف علاج بھی کیے ہیں، بہرحال شریعت کی حدود میں رہ کر ان سے استفادہ اور افادہ کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کا کاغذ اور جلد اعلیٰ ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کی قدر افزائی کی جائے گی۔

نکاحِ عائشہ رضی اللہ عنہا، اعتراضات و جوابات

مولانا محمد نعمان مکی صاحب (کنگ عبداللہ میڈیکل سٹی، مکہ مکرمہ)۔ صفحات: 248۔ قیمت مع ڈاک خرچ: 450۔ ناشر: مکتبہ مروان، سلام کتب مارکیٹ، دکان نمبر: 19، بالمقابل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون نمبر:

0332-2535754

زیرِ تبصرہ کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کے وقت ان کی عمر مبارک کتنی تھی؟ جمہور علماء امت کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت کردہ حدیث کی روشنی میں نکاح کے وقت آپ کی عمر مبارک 6 سال اور رخصتی کے وقت 9 سال تھی۔

مؤلف موصوف نے مختلف مذاہب اور ملتوں یہودیت، نصرانیت، ہندومت اور قدیم عرب قبائل کے رواج و عادت وغیرہ، ان کی تحریرات و حوالہ جات اور مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ اس عمر میں نکاح کرنا ایک عام سی بات تھی۔ اس پر اعتراض کی ابتدا کب ہوئی؟ کس نے کی؟ نام نہاد محققین کے اشکالات اور ان کے جوابات، چھوٹی عمر میں نکاح پر اجماع اور چھوٹی عمر کی شادیوں کی 100 ناقابل تردید مثالیں اس کتاب کی زینت بنائی گئی ہیں۔

کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت ہی جامع ہے۔ ہر صاحبِ علم کے لیے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا، نیز معترضین جو شبہات پیش کر رہے ہیں، ان کا شافی جواب مل سکے گا۔

امید ہے باذوق اصحابِ مطالعہ اس کتاب کی ضرور پذیرائی کریں گے۔ کتاب کی ابتدا میں اکابر علماء کرام کی تقریظات اور تصدیقات اس کی ثقاہت کی دلیل ہیں۔

كتاب أهل السنة مع الرد على أهل البدعة

مولانا ابو محمد، محمد رضوان عزیز کوہاٹی۔ صفحات: 231۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مدرسہ انوار الصحابہؓ و مکتبہ امام اعظم ابو حنیفہؒ، کوہاٹ۔ فون نمبر: 0336-2167838

مؤلف موصوف نے علمائے کرام خصوصاً منبر و محراب سے متعلق حضرات کے لیے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں: پہلے حصہ میں جمعہ و عیدین کے خطبات کے شرعی احکام و آداب کو عام فہم اردو زبان میں یکجا کیا ہے اور دوسرے حصے میں عربی خطبات ہیں جن میں علمائے دیوبند کے عقائد کے مطابق مسائل و احکام، اصلاح معاشرہ، بدعات اور اہل باطل کے فتنوں کا دلائل سے رد کیا گیا ہے۔

گویا کم وقت میں خطباء حضرات ایک جامع اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے ہم آہنگ خطبہ بآسانی تیار کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس کوشش اور کاوش کو قبول فرمائے۔

احتسابِ ناصبیت (12 رجلدیں)

(خانوادۂ رسالت، آلِ رسول، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے دفاع میں اکابر اہل السنۃ و الجماعۃ کے نادر و نایاب قیمتی و علمی کتب و رسائل اور مقالہ جات کا مجموعہ)

مرتب: حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ۔ قیمت: 5000 روپے۔ ناشر: مکتبہ سراجیہ، حضوری باغ روڈ، ملتان، رابطہ نمبر: 061-4783486

رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف پہلی معاندانہ تحریک ''خارجیت'' تھی، پھر اسی کے بطن سے ''ناصبیت'' اور ''رافضیت'' نے جنم لیا۔ ان دشمنانِ دین کے مقابلے میں اہل السنۃ والجماعۃ نے جہاں خانوادۂ رسالت کی عظمت و رِفعت کا پاس رکھا، وہیں اصحابِ رسول کی عزت و حرمت پر بھی آنچ نہ آنے دی۔ برصغیر میں 1959ء کے بعد ناصبیت و مماتیت نے سر اُٹھایا۔ مماتیوں نے کائنات کی سب سے محترم شخصیت رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبے کا پاس نہ رکھا تو ناصبیوں نے جزوِ بدن رسول آلِ نبی رضی اللہ عنہم پر زبانیں دراز کیں۔ اکابرِ اہل السنۃ والجماعۃ اور علمائے اسلام نے اپنی بلند پایہ علمی تحقیقات سے اس کا جو سدباب کیا وہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔

37 مصنفین کی 54 کتب اور چھ ہزار سے زائد صفحات پر محیط اس علمی ذخیرہ میں امام حضرت علامہ ابن جوزیؒ، مفسر و محدث حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، محقق العصر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ، شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، حضرت اقدس سید نفیس الحسینیؒ، حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ، حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ، حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ، حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ، حضرت مولانا سید حامد میاںؒ، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ اور دیگر حضرات کی تحقیقات یکجا کر دی گئی ہیں۔

علماء و مشائخ، طلبہ کرام اور نئی سال نسل کو رفض اور نصب کے افراط و تفریط سے بچا کر اہل السنۃ والجماعۃ کی راہِ اعتدال پر گامزن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اکابر کے ان علوم کو نہ صرف پڑھیں، سمجھیں بلکہ ہضم کریں اور ان کی تحقیقات کا خلاصہ اور نچوڑ ہمارے دل و دماغ پر نقش رہے۔ خصوصاً نئی نسل کو

اس بارے میں اپنے اکابر کا منہج معلوم ہونا چاہیے اور اسی کی روشنی میں انہیں اپنا علمی سفر طے کرنا چاہیے، کیونکہ اکابر و اسلاف کو پڑھے اور ان کے نصب العین پر گامزن رہے بغیر چہار سُو اندھیرا ہی اندھیرا ہے، جس میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین!

اس بات کا تذکرہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جو ہر فتنے کے آگے سدِّ سکندری بنا ہوا ہے، ناصبی فتنے کے خلاف بھی اس کے اکابر صف اول میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جامعہ کے تحت جب ماہنامہ بینات کا اجراء ہوا تو استاذ الحدیث، تخصص فی الحدیث کے سابق مشرف اور بینات کے مدیر اول محقق العصر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ نے محمود احمد عباسی ناصبی کی کتاب ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' کے زہر آلود مندرجات کا علمی و تحقیقی جائزہ لینا شروع کیا، بینات میں وہ متین و سنجیدہ ناقدانہ مضمون قسط وار شائع ہوتا رہا اور بعد میں ''ناصبیت؛ تحقیق کے بھیس میں'' کے عنوان سے ایک باوقار کاوش کی صورت میں منظر عام پر آیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم باتوفیق شخصیت ہیں، آپ نے اپنی اسّی سالہ زندگی میں کائنات کے بدترین کفر قادیانیت کو شکست فاش دینے کے ساتھ ساتھ ناصبیت کے خلاف بھی علمی مواد یکجا کر دیا ہے۔ شنید ہے کہ عنقریب دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر 75 جلدوں میں عظیم مجموعۂ مقالات بھی آپ ہی کی نگرانی میں شائع ہوگا۔ قبل ازیں آپ ''حیات الانبیاء علیہم السلام'' پر 17 جلدیں مرتب فرما چکے ہیں اور ردِّ قادیانیت پر 100 جلدوں کا محیّر العقول کارنامہ بھی آپ ہی کی مرہونِ منت ہے۔ گویا تقریباً ڈھائی صد جلدوں میں اکابر کی نادر و نایاب علمی تحقیقات کو حیاتِ نو عطا ہوئی ہے، جزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین، آمین!

اُمید ہے کہ اہلِ ذوق حضرات اس نعمت غیر مترقبہ کی ضرور قدر افزائی فرمائیں گے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....